إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

مارچ ۲۰۲۳ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

CPL No. 296 Monthly Al Burhan March 2023

خاموش انقلاب ناگزیر ہے

حقیقی انقلاب وہ ہے جو تعلیم وتزکیہ کی خاموش جدوجہد سے آتا ہے
ریاست اگر ساتھ نہ بھی دے تو انفرادی اور اجتماعی زندگی
میں اسّی فیصد سے زیادہ اسلام پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

صفحات ۲۸۸ قیمت ۳۵۰ روپے

مکتبہ البرہان

فون: 0309-4607124، ای میل ermpak@hotmail.com

اسلامی علوم میں تحقیق

اصول، ترجیحات اور معیار

* اسلامی تحقیق کے اصول
* اسلامی تحقیق کی ترجیحات
* اسلامی علوم میں جامعاتی تحقیق کی زبوں حالی
* جامعاتی تحقیق کا عمومی زوال

ڈاکٹر صاحب کے طبع زاد مضامین کے علاوہ ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، سید سعادت اللہ حسینی، ڈاکٹر محمد الغزالی، ایس ایم محمد ادریس (ملائیشیا)، سید خالد جامعی، ڈاکٹر طفیل ہاشمی، ڈاکٹر معین الدین عقیل، ڈاکٹر پرویز ہود بھائی اور پروفیسر ملک محمد حسین کی نگارشات

مرتب

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

صفحات: ۲۸۸ قیمت: ۴۰۰ روپے

مکتبہ البرہان

فون: 0309-4607124، ای میل ermpak@hotmail.com

ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

نمبر شمار	کتاب	صفحات	نمبر شمار	کتاب	صفحات
عصری تعلیم کی اصلاح (اسلامی تناظر میں)			۲۱	اپنی اصلاح آپ کیسے؟	۵۶
۱	ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل	۴۵۰	۲۲	ترکِ رذائل (احمد جاوید)	۲۹۲
۲	اسلامی سکول کے خدوخال	۸۰	۲۳	اسلام اور تعمیر سیرت	۴۰۷
۳	تعلیم اور اس کا اسلامی کردار	۱۶۷	اسلام اور مغربی فکر و تہذیب		
۴	یکساں قومی نصاب۔ خدشات و مضمرات	۲۰۸	۲۴	اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش	۱۷۶
۵	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے معلمین	۱۶۰	۲۵	اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ	۱۷۶
۶	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے طلبہ وطالبات	۴۸	۲۶	اسلام اور ردِّ مغرب	۲۱۶
۷	پنج سورہ مع پارہ عم (اُردو تفہیم)	۷۶	تفہیم دین		
۸	ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت	۱۲۰	۲۷	مسلم نشاۃ ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل	۴۰۰
طلبہ کی اسلامی تربیت			۲۸	شاتم رسول کے قتل کی شرعی حیثیت	۴۸
۹	تعلیمی ادارے اور کردار سازی	۱۷۲	۲۹	رزم حق و باطل	۸۰
۱۰	تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت۔ ہینڈ بک و گائیڈ	۱۶۰	۳۰	اسلام اور پاکستان	۳۰۰
اصلاحِ دینی مدارس			۳۱	عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون	۲۵۰
۱۱	ہمارا دینی نظام تعلیم	۲۵۰	۳۲	مقالاتِ امین (جلد اوّل)	۶۷۶
۱۲	نصابِ مدنیؒ	۴۰	۳۳	مقالاتِ امین (جلد دوم)	۶۴۲
۱۳	مدرسہ ڈسکورسز۔ مطالعہ و تجزیہ	۱۵۶	باللغة العربية		
۱۴	اصلاحِ دینی مدارس	۳۵۲	۳۴	السلطة التشريعية _ دراسة مقارنة	۱۵۰
اسلامی تحریکیں			English Books		
۱۵	پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟	۲۴۰	۳۵	Islamization of Laws in Pakistan	250
۱۶	خاموش انقلاب ناگزیر ہے	۲۸۸	۳۶	Riyaz us Saliheen I & II	950
۱۷	عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور	۸۴	۳۷	Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10	500
۱۸	نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت	۷۲			
تزکیۂ نفس					
۱۹	اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ)	۹۰۳			
۲۰	حقیقت تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً)	۶۲			

مکتبہ البرہان

۹۱۔ بابر بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔

ای میل ermpak@hotmail.com

ماہنامہ

البرہان

لاہور

جلد ۲۷، شمارہ ۳، مارچ ۲۰۲۳ء/ شعبان ۱۴۴۴ھ

مشمولات

O فکر و نظر — مَن انصاری إلی الله؟	مدیر	۴
O تعلیم و تربیت		
- جامعہ ملیہ اسلامیہ کے افتتاحی اجلاس سے خطاب	شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ	۵
- علم کا مقصد کیا ہے؟	مولانا عبدالماجد دریابادیؒ	۱۱
- دینی مدارس کے نصاب و نظام پر نظرِ ثانی کی ضرورت	مفتی تقی عثمانی	۱۳
- مغرب کی سوشل سائنسز قابل ردّ ہیں UMT لاہور میں سیمینار سے خطاب	ڈاکٹر محمد امین	۱۹
- بڑھتا ہوا الحاد اور دینی مدارس کے علماء کا رویہ	ابوبکر قدوسی/ ڈاکٹر محمد اکرم	۲۲
O اسلام اور پاکستان		
- پاکستان کے اخلاقی، سیاسی، معاشی بحران کا حل	پروفیسر عبدالخالق سہریانی	۲۵
- کیا پاکستان ایک غریب ملک ہے؟	پروفیسر عاصم حفیظ	۲۷
O تفہیم مغرب		
- مغرب کی اندھی پیروی اور اس پر ایمان بالغیب	سید خالد جامعی	۲۹
- تم مغرب پر تنقید کیوں کرتے ہو؟ جناب محمد دین جوہر کے افکار عالیہ پر ایک نظر	پروفیسر ڈاکٹر محمد امین	۳۲
O افغانستان		
- افغانستان میں معاشی استحکام	ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	۴۰
O تفہیم دین		
زلزلے کیوں آتے ہیں؟	مدیر	۴۸
O تزکیۂ نفس		
نماز کا ایک انوکھا اور حیران کن پہلو	ادارہ	۴۹
O تبصرۂ کتب		
''پسِ قانون'' از آصف محمود — پاکستانی قانون پر برطانوی نوآبادیاتی اثرات	پروفیسر سعدیہ قریشی	۵۰
O بزم قارئین		
البرہان کے نام خط	ادارہ	۵۳
English Section		۵۶
The Truth about Feminism	Dr. Javead Akber Ansari	

مدیر

ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

حافظ عمران رضا طحاوی

لیگل ایڈوائزر

محمد یحییٰ رشید، ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن

(0309-4607124)

[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِ اعانت: فی شمارہ 85 روپے

سالانہ 1000 روپے۔ پانچ سال: 5000 روپے

تاحیات 40,000 روپے

محمد خباب (ناظم مالیات تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ)

سٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک، لاہور

PK55SCBL0000001212265001

برائے رابطہ

۹۱۔ بابر بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

برائے آن لائن مطالعہ

www.alburhaan.pk

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف

0306-4640366

فکرونظر

مَن انصاری إلی اللہ؟

سارے مسلمان اس پر متفق ہیں کہ قرآن حکیم میں ہماری انفرادی، اجتماعی اور اخلاقی امراض اور مسائل کا حل موجود ہے۔ ہمارے اسلاف نے اسی پر عمل کر کے سرفرازی حاصل کی اور ہمارے زوال کی وجہ بھی اس کی سنہری اور آفاقی تعلیمات پر عمل نہ کرنا ہے۔ ہم پچھلی تین دہائیوں سے اپنے نظام تعلیم وتربیت کی قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں۔

۲۰۱۸ء میں ہم نے نسلِ نو کو قرآن حکیم سے جوڑنے کا ایک پروگرام وضع کیا جس کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ طلبہ قرآن حکیم کو سمجھ سکیں تاکہ ان کے لیے اس پر عمل کی راہ ہموار ہو سکے۔ ہم نے سکولوں میں 'تدریس القرآن' کے نام سے ترجمۂ قرآن کا ایک ایسا آسان اور عام فہم پیکیج متعارف کرایا جس سے طالب علم اگر ایک پارہ بھی توجہ سے پڑھ لے تو اسے بقیہ قرآن کا اکثر حصہ سمجھ آنا شروع ہو جاتا ہے یعنی اس میں قرآن کا ترجمہ کرنے کی اور اسے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم نے یہ طریقِ ترجمہ مختلف مسالک کے بڑے علماء کرام کو دکھایا ہے اور ان کی تائید حاصل کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر قوم کو قرآن حکیم سے جوڑ دیا جائے اور اسے اس پر یکسو اور متحد کر دیا جائے تو دین کے صحیح فہم اور ایمان وعمل صالح کی طرف بڑھنے کی راہ ہموار ہو جائے گی اور ان کی کردار سازی ہو سکے گی۔ ہم نے قرآن حکیم کو صحیح مخارج کے ساتھ پڑھنے کے لیے تجویدی قاعدہ بھی تیار کیا ہے۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان پاروں کو سکولوں تک کیسے پہنچایا جائے؟ سکولوں میں ترجمۂ قرآن پڑھانے والوں کی تربیت کیسے کی جائے؟ نیز ان پاروں کو کیسے ہر گھر تک پہنچایا جائے تاکہ خواتین وحضرات، ریٹائرڈ اشخاص اور بچیاں بھی گھر بیٹھے قرآن مجید کا ترجمہ سیکھ کر اس کا فہم حاصل کر سکیں اور اس پر عمل کر سکیں؟ مطلب یہ کہ ان پاروں کی طباعت، اشاعت، انہیں سکولوں تک پہنچانے اور سکول اساتذہ کی تربیت کے لیے افراد اور مالیات درکار ہیں۔

ہم ملت اسلامیہ پاکستان، اصحابِ درد، داعیانِ اصلاح اور اصحابِ خیر سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس پر سوچیں اور رجوع الی القرآن کی اس تحریک میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

(محمد امین)

تعلیم و تربیت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے افتتاحی اجلاس سے
شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا تاریخی خطاب

حامداً و مصلیاً: امابعد!

جلسوں کی عام روش کا اقتضا یہ ہے کہ میں سب سے پہلے اس عزتِ صدارت پر، جو ایک نہایت ہی سرفروشانہ ایثار و شجاعانہ جدوجہد کرنے والی جماعت کی طرف سے مجھ کو مرحمت ہوئی ہے، شکرگزاری اور منت پذیری کا اظہار کروں، لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ شکریہ چند وقیع اور شاندار الفاظ سے ادا نہیں ہوسکتا اور نہ مجھ کو محض رسمی اور مصنوعی ممنونیت کی نمائش اس بھاری ذمہ داری کے بوجھ سے سبکدوش کرسکتی ہے جو فی الحقیقت آپ نے اس عزت افزائی کے ضمن میں مجھ پر عائد کی ہے۔ دو چار پھڑکتے ہوئے جملے بلاشبہ عارضی طور پر مجلس کو محظوظ کرسکتے ہیں، مگر مَیں خیال کرتا ہوں کہ میری قوم اس وقت فصاحت و بلاغت کی بھوکی نہیں ہے اور نہ اس قسم کی عارضی مسرتوں سے اس کے درد کا اصلی درمان ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے ضرورت ہے ایک قائم و دائم جوش کی، نہایت صابرانہ ثبات قدم کی، دلیرانہ مگر عاقلانہ طریق عمل کی اور اپنے نفس پر پورا قابو پانے کی۔ غرض ایک پختہ کار بلند خیال اور ذی ہوش محمدی بننے کی۔

مَیں ہرگز آپ کے لیکچراروں اور فصیح اللسان تقریر کرنے والوں کی تحقیر نہیں کرتا ہوں کیونکہ مَیں خوب جانتا ہوں کہ جو چیز سوئے ہوئے دلوں کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے اور زمانہ کی ''ہوا'' میں اول تموّج پیدا کرتی ہے وہ یہی دعوتِ حق کا غلغلہ ڈالنے والی زبان ہے۔ ہاں! اس قدر گزارش کرتا ہوں کہ تاوقتیکہ متکلم اور مخاطب کے دل میں سعی جمیلہ کا سچا جذبہ، اس کے اخلاق میں شجاعانہ استقامت و ایثار، اس کے جوارح میں قوتِ عمل، اس کے ارادوں میں پختگی اور چستی نہ ہو، محض گرم جوش تقریریں کسی ایسے کٹھن اور بلند پایہ مقصد میں آپ کو کامیاب نہیں کرسکتیں: و کیف الوصول إلي سعاد و دونها قلل الجبال و دونهن حتوف۔

اے حضرات! آپ خوب جانتے ہیں کہ جس وادیِ پُرخار کو آپ برہنہ پا ہوکر قطع کرنا

چاہتے ہیں وہ مشکلات اور تکالیف کا جنگل ہے۔ قدم قدم پر وہاں صعوبتوں کا سامنا ہے۔ طرح طرح کی بدنی، مالی اور جاہی مکروہات آپ کے دامنِ استقلال کو الجھانا چاہتے ہیں لیکن حُفَّتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ کے قائل کو اگر آپ خدا کا سچا رسول مانتے ہیں (اور ضرور مانتے ہیں) تو یقین رکھیے کہ جس صحرائے پُرخار میں آپ گامزن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے راستہ پر جنت کا دروازہ بہت ہی نزدیک ہے۔ کامیابی کا آفتاب ہمیشہ مصائب وآلام کی گھٹاؤں کو پھاڑ کر نکلا ہے اور اعلیٰ تمناؤں کا چہرہ سخت سے سخت صعوبتوں کے جھرمٹ میں سے دکھائی دیا ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ ؕ مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ﴾ [البقرہ ۲: ۲۱۴]

’’کیا تم کو خیال ہے کہ تم جنت میں جا گھسو گے اور تمہیں اس طرح کے حالات پیش نہ آئیں گے جو کہ تم سے پہلے لوگوں کو پیش آئے؟ ان کو سختیاں اور اذیتیں پہنچیں اور وہ اس قدر جھڑجھڑائے گئے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھ مومنین بول اُٹھے کہ خدا کی مدد کہاں ہے؟ یاد رکھو کہ خدا کی مدد نزدیک ہے۔‘‘ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جٰھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ [آل عمران ۳: ۱۴۲]

’’کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے بدون (بغیر) اس کے کہ اللہ جانچ کرے تم میں سے مجاہدین اور صابرین کی؟۔‘‘ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

﴿الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ﴾ [العنکبوت ۲۹: ۱ تا ۳]

’’کیا لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ محض "اٰمَنَّا" کہنے پر وہ چھوڑ دیے جائیں گے؟ حالانکہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کی آزمائش کی ہے، تو ضرور ہے کہ اللہ پرکھے گا سچے اور جھوٹے لوگوں کو۔‘‘

یہ حق تعالیٰ جل شانہ کی سنت مستمرہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی وتغیر گوارا نہیں۔ کوئی قوم

اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے راستے پر چلنے کی مدعی نہیں ہوئی جس کو امتحان و آزمائش کی کسوٹی پر نہ کسا گیا ہو۔ خدا کے برگزیدہ اور اولوالعزم پیغمبر جن سے زیادہ خدا کا پیار کسی پر نہیں ہوسکتا، وہ بھی مستثنیٰ نہیں رہے۔ بیشک ان کو مظفر و منصور کیا گیا، مگر کب؟! سخت ابتلاء اور زلزالِ شدید کے بعد۔ وہ خود فرماتے ہیں:

﴿حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُوۡا جَآءَهُمۡ نَصۡرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنۡ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ﴾ [یوسف ۱۲:۱۱۰]

پس اے فرزندانِ توحید! میں چاہتا ہوں کہ آپ انبیاء و مرسلین اور ان کے وارثوں کے راستہ پر چلیں اور جو لڑائی اس وقت شیطان کی ذریت اور خدائے قدوس کے لشکروں میں ہو رہی ہے اس میں ہمت نہ ہاریں اور یاد رکھیں کہ شیطان کے مضبوط سے مضبوط آہنی قلعے خداوند قدیر کی امداد کے سامنے تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ ۚ اِنَّ كَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ كَانَ ضَعِیۡفًا﴾ [النساء ۴:۷۶]

''ایماندار تو خدا کے راستے میں لڑتے ہیں اور کافر شیطان کے راستہ میں، پس تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو، بلاشبہ شیطان کی فریب کاری محض لچر پوچ ہے۔''

میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت و نقاہت کی حالت میں (جس کو آپ خود مشاہدہ فرما رہے ہیں) آپ کی دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا اُٹھو اور اس امتِ مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ، ان کے دلوں پر خوف و ہراس مسلط ہو جاتا ہے۔ خدا کا نہیں، بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامانِ حرب و ضرب کا، حالانکہ ان کو تو سب سے زیادہ جاننا چاہیے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے اور دنیا کی متاعِ قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ چنانچہ اس قسم کے مضمون کی طرف حق تعالیٰ جل شانہ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ قِیۡلَ لَہُمۡ کُفُّوۡۤا اَیۡدِیَکُمۡ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۚ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ یَخۡشَوۡنَ النَّاسَ کَخَشۡیَۃِ اللّٰہِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡیَۃً ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ کَتَبۡتَ عَلَیۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ ۚ وَالۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی ۟ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴾ [النساء ۴:۷۷]

''کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو یکایک ان میں ایک فریق ڈرنے لگا آدمیوں سے، خدا کے برابر یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگا: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا؟ اور کیوں تھوڑی مدت ہم کو اور مہلت نہ دی؟ کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت اس شخص کے لیے بہتر ہے، جس نے تقویٰ اختیار کیا اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، جہاں کہیں بھی تم ہو موت تم کو آدبائے گی، اگرچہ تم نہایت مستحکم قلعوں میں ہو۔''

اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں) مدرسوں، خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔ کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر مَیں بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے۔

دوش دیدم کہ ملائک درِ مے خانہ زدند۔ گلِ آدم بسر شتند و بہ پیمانہ زدند۔ ساکنانِ حرمِ سرّ عفافِ ملکوت۔ بہ امن راہ نشیں بادۂ مستانہ زدند شکر ایزد کہ میان من و او صلح فتاد۔ حوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ۔ چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند۔

آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے اکابر سلف نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علم و فنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں! یہ بے شک کہا گیا کہ اگر انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا

ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اُڑائیں یا ''حکومتِ وقتیہ'' کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لیے جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔ اب از راہِ نوازش آپ ہی انصاف کیجیے کہ یہ تعلیم سے روکنا تھا یا اس کے اثرِ بد سے؟ اور کیا یہ وہی بات نہیں جس کو آج مسٹر گاندھی اس طرح ادا کر رہے ہیں کہ ''ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھی، صاف اور شفاف دودھ کی طرح ہے جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہو۔'' باری تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری قوم کے نوجوانوں کو توفیق دی ہے کہ وہ اپنے نفع وضرر کا موازنہ کریں اور دودھ میں جو زہر ملا ہوا ہے اس کو کسی ''بھپکے'' کے ذریعہ سے علیحدہ کر لیں۔ آج ہم وہی بھپکا نصب کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں اور آپ نے مجھ سے پہلے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ ''بھپکا'' مسلم نیشنل یونیورسٹی ہے۔ مطلق تعلیم کے فضائل بیان کرنے کی ضرورت اب میری قوم کو نہ رہی، کیونکہ زمانے نے خوب بتلا دیا ہے کہ تعلیم سے ہی بلند خیالی اور تدبر اور ہوش مندی کے پودے نشوونما پاتے ہیں اور اس کی روشنی میں آدمی نجاح وفلاح کے راستے پر چل سکتا ہے۔ ہاں! ضرورت اس کی ہے کہ وہ تعلیم مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو اور اغیار کے اثر سے بالکل آزاد ہو، کیا باعتبارِ عقائد وخیالات کے اور کیا باعتبارِ اخلاق واعمال کے اور کیا باعتبارِ اوضاع واطوار کے، ان سب میں ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں۔ ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں پر غلام پیدا کرتے رہیں بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہئیں بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں اور ان عظیم الشان مدارس کے جنہوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا، اس سے بیشتر کہ ہم اس کو اپنا استاد بناتے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ بغداد میں جب مدرسۂ نظامیہ کی بنیاد ایک اسلامی حکومت کے ہاتھوں رکھی گئی ہے تو اس دن علماء نے جمع ہو کر علم کا ماتم کیا تھا کہ افسوس آج سے علم حکومت کے عہدے اور منصب حاصل کرنے کے لیے پڑھا جائے گا! تو کیا آپ ایک ایسی یونیورسٹی سے فلاحِ قومی کی امید رکھ سکتے ہیں جس کی امداد اور نظام میں بڑا زبردست ہاتھ ایک غیر اسلامی حکومت کا ہو۔ ہماری قوم کے سربرآوردہ لیڈروں نے سچ تو یہ ہے کہ امتِ اسلامیہ کی ایک بڑی اہم ضرورت کا احساس کیا ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں کی درسگاہوں میں جہاں علوم عصریہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہو، اگر طلبہ اپنے اصول وفروع سے بے خبر ہوں اور اپنے قومی محسوسات اور اسلامی فرائض فراموش کر دیں اور ان میں اپنی ملت اور اپنے ہم قوموں کی حمیت نہایت ادنیٰ درجہ

پر رہ جائے تو یوں سمجھو کہ وہ درسگاہ مسلمانوں کی قوت کوضعیف بنانے کا ایک آلہ ہے۔اس لیے اعلان کیا گیا ہے کہ ایک آزاد یونیورسٹی کا افتتاح کیا جائے گا جو گورنمنٹ کی اعانت اور اس کے اثر سے بالکل علیحدہ اور جس کا تمام تر نظامِ عمل اسلامی اور قومی محسوسات پر مبنی ہو۔

مجھے ان لیڈروں سے زیادہ ان نونہالانِ وطن کی ہمتِ بلند پر آفرین اور شاباش کہنا چاہیے جنھوں نے اس مقصد کی انجام دہی کے لیے اپنی ہزاروں امیدوں پر پانی پھیر دیا اور باوجود ہر قسم کے طمع اور خوف کے وہ ''موالاتِ نصاریٰ کے ترک'' پر مضبوطی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے اور اپنی عزیز زندگیوں کو ملت اور قوم کے نام پر وقف کر دیا۔ شاید ترکِ موالات کے ذکر پر آپ اس مسئلہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہو جائیں اور ان عامۃ الورود سوالات اور شبہات کے دلدل میں پھنسنے لگیں جو اس بہت ہی اہم و اعظم مسئلے کے متعلق آج کل عموماً زبان زد ہیں، اس لیے مَیں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ آپ تھوڑا سا وقت مجھ کو اس تحریر کے سنانے کے لیے عنایت فرمائیں جو میں نے بعض مسائل دریافت کیے جانے پر دیوبند سے تیار کر کے بھیجی تھی۔

اب میری یہ التجا ہے کہ آپ سب حضرات بارگاہِ رب العزت میں نہایت صدقِ دل سے دعا کریں کہ وہ ہماری قوم کو رسوا نہ کرے اور ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنائے اور ہمارے اچھے کاموں میں ہماری مدد فرمائیں۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہٖ وأصحابہٖ أجمعین آپ کا خیر اندیش

۱۶/صفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۹/اکتوبر 1920ء

البرہان:

ہمارے دینی مدارس اور علماء کرام خصوصاً دیوبندی مدارس اور ان کے علماء کرام کو سوچنا چاہیے کہ کیا انہوں نے شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک اور مشرب پر چلتے ہوئے جدید تعلیم سے قریبی روابط رکھے ہیں، ان کی اصلاح کی کوشش کی ہے اور انہیں اپنے سے قریب کرنے کی تگ و دو کی ہے؟

تعلیم و تربیت		مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

علم کا مقصد کیا ہے؟

* عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من تعلّم علمًا لغیر اللّٰه أو أراد به غیر اللّٰه فلیتبوأ مقعده من النار۔ [۱]

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے علم کو حاصل کیا، غیر خدا کے لیے، یا جس نے علم کے ذریعہ سے غیر خدا کی (رضاجوئی) کا ارادہ کیا، تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ ہی میں تلاش کر رکھے۔

* عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه ﷺ من تعلّم العلم لیباهي به العلماء ویماری به السفهاء ویصرف به وجوه الناس الیه أدخله اللّٰه جهنم۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے علم اس غرض سے حاصل کیا کہ اہل علم کے درمیان فخر وعزت حاصل کرے، بے علموں کا ناطقہ بند کرے اور لوگوں میں نام ونمود حاصل کرے، تو اللہ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

یہ دو حدیثیں صرف نمونہ کے طور پر نقل کر دی گئیں، ورنہ اس مضمون کی احادیث، بڑی کثرت سے، صحاح وغیر صحاح میں مل سکتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ حصولِ علم کا مقصد، رضائے حق اور تمامتر رضائے حق ہی رہنا چاہیے۔ آج یہ مقصد کن طالبانِ علم کا ہے؟ آج کون اس غرض سے علم حاصل کر رہا ہے؟

پھر ارشاد ہوتا ہے، کہ جو لوگ علم کو عالمانہ توقیر وفضیلت کی غرض سے، یا دنیوی جاہ وعزت کے لیے حاصل کرتے ہیں، ان کا ٹھکانا سوائے دوزخ کے اور کہیں نہیں۔ امت کے سردار ﷺ کا، سب عالموں کے معلم ﷺ کا، ارشاد یہ تھا۔ امت کے افراد کا، قوم وملت کے طالب علموں کا عمل آج کسی درجہ میں بھی اس ارشاد کے مطابق ہے؟ آج اس پر عمل کون کر رہا ہے؟ کیا وہ جو بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں حاصل کر رہے ہیں؟ کیا وہ جو ڈاکٹری

---

[۱] ترمذی، ابواب العلم وابن ماجہ

اور بیرسٹری کے ڈپلومے بڑھ بڑھ کر لے رہے ہیں؟ کیا وہ جو انجینئرنگ اور صناعی کی سندوں کے واسطے ایک ایک سے جھگڑ رہے ہیں؟ کیا وہ جو ڈپٹی کلکٹری اور منصفی کو اپنی آرزوؤں کا مرکز بنائے ہوئے ہیں؟ کیا وہ جو ججی اور منسٹری کو اپنے حوصلوں کا منتہا قرار دیئے ہوئے ہیں؟ کیا وہ جو جرمنی، اور فرانس جا کر ''ریسرچ'' کرتے ہیں؟ کیا وہ جن کے ''محققانہ مقالات'' اُن کے لیے بڑے سے بڑے انعام واعزاز حاصل کرلاتے ہیں؟

ہمارے علمی اور تعلیمی ادارے کسی حد تک بھی ارشادِ نبوی کی تعمیل میں مصروف ہیں؟ ہمارے اسکول اور ہمارے کالج، ہماری درسگاہیں اور ہماری تربیت گاہیں، ہماری ''مسلم'' یونیورسٹی، اور ہماری 'جامعہ ملیہ''، ہماری آل انڈیا تعلیمی کانفرنس اور ہماری صوبہ دار تعلیمی کانفرنسیں، کوئی بھی اِس ارشاد کو واجب العمل سمجھ رہا ہے؟ کسی نے اسے قابل التفات بھی سمجھا ہے؟ اگر آج اس ہدایت سراپا سعادت پر عمل ہو، تو ہماری تعلیمی کانفرنسوں کی پُرجوش تقریروں، ہنگامہ خیز ریزولیوشن سازیوں، 'بصیرت افروز' خطبات صدارت اور ہمارے علمی اداروں کی ساری چہل پہل، رونق وگرم بازاری، بزم آرائی وزورآزمائی کا طلسم زرّیں کچھ بھی باقی رہ جائے؟ ('سچی باتیں' ۲۰ مارچ ۱۹۳۱ء)

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
ہو نہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و گزاف

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

(اقبالؒ)

تعلیم و تربیت

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

دینی مدارس کے نصاب و نظام پر نظر ثانی کی ضرورت ہے (۲)

دوسرا مسئلہ نصاب تعلیم کا ہے۔ دینی مدارس میں اس وقت جو نصاب رائج ہے وہ بنیادی طور پر درس نظامی کا نصاب ہے۔ یہ نصاب ایک عالم دین کی جملہ ضروریات کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا گیا تھا اور اس میں ہر علم وفن کے اندر ایسی کتابیں تجویز کی گئی تھیں جو سطحی اور سرسری معلومات کی بجائے اس علم وفن میں مستحکم اور ٹھوس استعداد پیدا کریں اور اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے نزدیک اس بنیادی ڈھانچے میں بہت زیادہ انقلابی تبدیلیوں کی اب بھی ضرورت نہیں، البتہ قویٰ کے انحطاط اور وقت کی علمی و دینی ضروریات کے پیش نظر اس نصاب پر مختلف حیثیتوں سے نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس وقت ہمارے نظام تعلیم میں جو خلاء محسوس ہوتا ہے یا اس میں جو نقائص پیدا ہو گئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

نصاب تعلیم کے کچھ نقائص اور ازالے کی تجاویز

دینی مدارس کو عربی زبان سے جو خصوصی تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ عربی زبان تمام دینی علوم کے لیے بنیادی زینے کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ہمارے مدارس میں عربیت کا ذوق اور عربی تحریر وتقریر کا ملکہ افسوسناک حد تک نایاب ہے۔ اچھی استعداد رکھنے والے طلبہ زیادہ سے زیادہ عربی کتابیں سمجھنے کی صلاحیت تو پیدا کر لیتے ہیں لیکن عربی تحریر وتقریر کی مشق سے، الا ماشاء اللہ، بالکل عاری ہوتے ہیں۔ اکثر متوسط درجے کے طلباء کی بھی عبارت خوانی تک درست نہیں ہوتی اور عربی میں مضمون نگاری، تصنیف وتالیف یا تقریر وخطابت تو اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کے لیے بھی کبریتِ احمر کا درجہ رکھتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دینی مدارس میں عربی پڑھانے کا اصل مقصد کتاب وسنت اور ان کے علوم کے اصل ماخذ تک رسائی ہے جس کے لیے تحریر وتقریر کا ملکہ ناگزیر نہیں لیکن اوّل تو اب مشاہدہ یہ ہے کہ تحریر وتقریر کی مشق کے فقدان کا اثر عبارت خوانی اور عبارت فہمی پر بھی پڑ رہا ہے۔ دوسرے عربی تحریر وتقریر کی مشق اگر مقصود نہ ہو تو کم از کم اس کے محمود ہونے میں تو

کوئی شبہ نہیں اور صَرف ونحو اور بلاغت و ادب کی اعلیٰ کتابوں کے پڑھنے کے بعد بھی اگر یہ وصفِ محمود حاصل نہ ہوتو یہ کوتاہی کچھ کم نہیں ہے۔ تیسرے عالم اسلام کے باہم مربوط ہونے کے ساتھ ساتھ اب اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ ہمارے مدارس سے عربی تحریر وتقریر کی اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے افراد پیدا ہوں جو عالم عرب سے روابط رکھ سکیں۔ عرب ممالک میں دینی مدارس، ان کی دعوت اور ان کے پیغام کی صحیح نمائندگی کر سکیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان، پاکستان کے علماء نے جو عظیم الشان علمی اور دینی ذخیرہ اردو یا فارسی زبان میں چھوڑا ہے، اس سے عالم عرب کو روشناس کرا سکیں اور یہ مقصد عربی تحریر وتقریر کے اعلیٰ ملکہ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

اس وقت ہمارے نظام تعلیم میں عربی صَرف ونحو، ادب اور بلاغت کی تدریس پر ایک معتد بہ وقت صَرف ہوتا ہے لیکن یہ سارے علوم خالص نظریاتی انداز سے پڑھائے جاتے ہیں اور ان کی عملی تربیت اور مشق کا کوئی اہتمام باقی نہیں رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایک طالب علم نحو وصرف کے قواعد، ان کے خود ساختہ فلسفے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات وجوابات کی بحثیں تو شرح جامی، عبدالغفور اور عصام وغیرہ کی مدد سے یاد کر لیتا ہے لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ وہ چند سطریں عربی زبان میں لکھ دے تو یہ بات نہ صرف یہ کہ اس کے لیے سخت دشوار ہوتی ہے بلکہ وہ بسا اوقات انہی قواعد کے اطلاق میں غلطیاں کرتا ہے جن کا پورا فلسفہ اسے ازبر ہے اور اگر کوئی شخص نحو وصَرف کی غلطیوں سے محفوظ رہ جائے تو اسلوب اور انشاء کی غلطیاں تو اس کی تحریر میں لازماً ہوتی ہی ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس میں عربیت کی تصحیح وتحسین کی طرف پوری توجہ دی جائے اور مدرسے کی پوری فضا ایسی بنائی جائے جس میں عربیت رچی بسی ہوئی ہو۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز بطور خاص قابل ذکر ہیں:

عربی کا اسلوبِ تدریس اور اضافۂ کتب

الف۔ ابتدائی درجات کے نصاب میں صَرف ونحو کی ایسی کتابوں کا اضافہ کیا جائے جن میں قواعد کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کے عملی اجراء کا اہتمام ہو۔ ہر ہر قاعدے کے ساتھ اس کی بہت سی مثالیں دے کر قاعدے کو ذہن نشین کرایا گیا ہو اور پھر تمرینات کے ذریعے

طلباء کو ان قواعد پر عمل کا عادی بنانے کی کوشش کی گئی ہو۔عرب ممالک میں اس غرض کے لیے بہت سی کتابیں تیار ہوئی ہیں مثلاً نحو وصرف کے ابتدائی اور متوسط درجات کے لیے''النحوالواضح'' اوراعلیٰ درجات کے لیے''النحوالوافی'' وغیرہ۔ان کتب سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

ب۔ ادب کی تعلیم میں انشاء کے لیے مستقل وقت رکھ کر اس کی باقاعدہ تربیت کی ضرورت ہے اس غرض کے لیے بھی اس وقت بہت سی کتابیں دستیاب ہیں مثلاً:"الاسلوب الصحیح للانشاء"، "معلم الانشاء" وغیرہ۔ ان سے اس سلسلے میں مدد لی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ''بلاغت'' کی تعلیم کے لیے ہمارے نصاب میں مختصر المعانی بالکل ناکافی ہے اور اس سے''بلاغت'' کا اصل مقصد بالکل حاصل نہیں ہوتا۔لہٰذا اس کی بجائے یا اس کے ساتھ''دروس البلاغۃ'' یا''البلاغۃ الواضحۃ''اس طرح پڑھانے کی ضرورت ہے کہ اس سے بلاغت کا اصل مقصد حاصل ہو سکے۔

ج۔ لیکن عربیت کا ذوق پیدا کرنے کے لیے ان تمام چیزوں سے زیادہ اہمیت جس بات کو حاصل ہے وہ مدرسے کی مجموعی فضا میں عربیت کا چلن ہے۔اس غرض کے لیے ہماری رائے میں تو درجہ رابعہ سے اوپر کے تمام اسباق عربی زبان میں ہونے چاہئیں لیکن اگر یکا یک یہ تبدیلی مشکل ہو تو کم از کم مدرسے کے تمام اعلانات، دفتری اندراجات، تمام دفتری کارروائی، امتحانات کے پرچے اور ان کے نتائج وغیرہ فوری طور پر عربی میں منتقل کرنے چاہئیں اور رفتہ رفتہ مدارس کے ماحول کو اس سطح پر لانا چاہیے کہ ان میں ذریعۂ تعلیم مکمل طور پر عربی زبان بن جائے۔

د۔ اساتذہ اور طلبہ کے درمیان باہمی گفتگو میں عربی بول چال کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔اگر اساتذہ اور منتظمین اس بات کا اہتمام کریں کہ وہ آپس میں نیز طلباء سے صرف عربی میں گفتگو کریں گے تو بہت جلد عربیت کا ایک خوشگوار ماحول پیدا ہوسکتا ہے۔عادت نہ ہونے کی بناء پر شروع میں شاید دشواری پیش آئے، لیکن اگر اس دشواری پر اہتمام کے ساتھ قابو پالیا گیا تو ان شاءاللہ بہترین نتائج حاصل ہوں گے۔

ہ۔ مہینے دو مہینے میں طلباء کے ایسے اجتماعات منعقد کرنے چاہئیں جن میں طلبہ عربی میں تقریریں کریں اور مقالے پڑھیں۔

۲۔ اعدادیہ میں اُردو، فارسی اور ریاضی کی تعلیم

دارالعلوم دیوبند میں طریق کار شروع سے یہ تھا کہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد اور

عربی کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے طالب علم کو ایک پانچ سالہ نصاب سے گزارا جاتا تھا جو ’’درجہ فارسی و ریاضی‘‘ کے نام سے موسوم تھا۔ اس درجے میں اردو، فارسی، دینیات، تجوید، حساب، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ کی اس قدر معیاری تعلیم دے دی جاتی تھی کہ ان مضامین میں ایک عالم دین کو جتنی واقفیت ضروری ہے ایک طرف وہ تمام تر حاصل ہوتی تھی اور دوسری طرف اگر کوئی شخص کسی وجہ سے اس درجہ پر اپنی تعلیم ختم کرنے پر مجبور ہو جائے تو وہ دین و دنیا کی اتنی بنیادی معلومات حاصل کر چکا ہوتا تھا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اچھی زندگی گزار سکے۔

یہ درجہ عربی اور اسلامی علوم کے لیے ایک بہترین بنیاد کا کام دیتا تھا اور جب طالب علم اس درجے سے فارغ ہو کر عربی اور اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوتا تو وہ اردو اور فارسی میں تحریر و انشاء کی اچھی صلاحیت کا حامل ہوتا تھا جو اس کو عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل میں بہت مدد فراہم کرتی تھی۔

یہ درجہ موجودہ دینی مدارس میں عرصے سے یا تو ختم ہو چکا ہے یا اس نے گھٹتے گھٹتے ایک سال کے درجہ اعدادیہ کی صورت اختیار کر لی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم جب عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل شروع کرتا ہے تو عام طور سے اس کی تحریر خراب، املا اور انشاء ناقص اور بنیادی معلومات کمزور ہوتی ہیں۔ اس میں عربی صَرف ونحو، ادب اور فقہ وغیرہ کے اہم مضامین کو کماحقہ سمجھنے اور انہیں اچھی طرح ہضم کرنے کی پوری صلاحیت نہیں ہوتی اور یہ مضامین اسے دشوار معلوم ہوتے ہیں اور جب بنیاد کمزور ہو جائے تو اس کمزوری کا اثر اگلے درجات تک پڑتا ہے۔

لہٰذا یہ بات ہماری نظر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے مذکورہ بالا طریق کار کے مطابق درجۂ اعدادیہ کی مدت بڑھائی جائے اور اس میں اردو، فارسی، دینیات، سیرت، تجوید، حساب، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ کی اتنی معیاری تعلیم دے دی جائے جو اگلے مضامین کے لیے مناسب بنیاد فراہم کر سکے۔

۳۔ تاریخ اور سیرت کو داخل نصاب کیا جائے

درس نظامی میں تاریخ کو بطور مضمون اس لیے باقاعدہ شامل نہیں کیا گیا تھا کہ قوت مطالعہ پیدا ہونے کے بعد یہ مضمون ذاتی مطالعے سے بھی بخوبی حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن اب تجربہ یہ ہو رہا ہے کہ ذاتی مطالعہ کا ذوق کم ہوتا جا رہا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی درجات کے نصاب میں تاریخ اور سیرت کو باقاعدہ مضمون کی حیثیت سے داخل نصاب کیا جائے۔

۴۔ تصوف اور اخلاق کی کتابیں داخل نصاب کی جائیں

یہی حال تصوف اور اخلاق کا ہے۔ اس کو با قاعدہ درس میں اس لیے شامل نہیں کیا گیا تھا کہ مدارس کا پورا ماحول بذات خود اخلاق وطریقت کی عملی تربیت کرتا تھا اور باقی ماندہ کسر ذاتی مطالعے اور کسی مرشد کے تعلق سے پوری ہو جاتی تھی لیکن اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف اور اخلاق کی کتب با قاعدہ داخل درس ہوں۔ اس مقصد کے لیے حضرت امام غزالیؒ کی ''بدایۃ الھدایۃ''، ''اربعین'' اور ''احیاء العلوم'' کے منتخب حصے، حضرت امام سہروردیؒ کی ''عوارف المعارف'' اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ''التکشف'' اور ''التشرف'' وغیرہ مختلف درجات میں رکھی جاسکتی ہیں۔

۵۔ تقابل فرقِ باطلہ کو داخل نصاب کیا جائے

ایک عالم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جن دوسرے مذاہب وادیان کا براہ راست اسلام سے تصادم رہا ہے اور جن کے تبلیغی مشن اب بھی سرگرمی کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں نیز خود مسلمانوں کے وہ فرقے اور گروہ جنہوں نے اپنے کچھ مخصوص نظریات کی بناء پر اپنا مستقل وجود قائم کیا ہوا ہے ان سب کے بنیادی عقائد وافکار سے وہ فی الجملہ واقفیت رکھتا ہو تا کہ بوقت ضرورت ان کی جواب دہی کر سکے، لہٰذا درس میں ''الملل والنحل'' یا ''الادیان والفِرق'' کے نام سے ایک مستقل موضوع کا اضافہ ہونا چاہیے جس میں ان ادیان وفِرق کا مختصر تعارف، ان کے بنیادی عقائد وافکار اور ان کی تردید کے بنیادی دلائل بیان کر دیئے جائیں جن کے ساتھ اجمالی معلومات ہر طالب علم کو حاصل ہو جائیں اور جن لوگوں کو بعد میں ان میں سے کسی مذہب یا فرقے پر خصوصی کام کا موقع ملے اس کے لیے یہ تعارف ایک بنیاد کا کام دے سکے۔

۶۔ انگریزی، جدید مغربی فلسفہ، معاشیات اور سیاسیات کو داخل نصاب کیا جائے

علوم عصریہ کو ذریعہ معاش بنانے کے لیے مدارس کے نصاب میں ان کے اضافے کا جو تصور ہے، ظاہر ہے وہ تو قابل قبول نہیں لیکن بعض عصری علوم ایسے ہیں جو موجودہ دور میں دین کی موثر تبلیغ، اس کے کما حقہ دفاع اور اس کی صحیح خدمت کے نقطۂ نظر سے ایک عالم کے لیے بحیثیت عالم ان کی فی الجملہ واقفیت ضروری یا مفید ہوگئی ہے مثلاً انگریزی زبان، جدید مغربی فلسفہ، معاشیات، سیاسیات اور اصول قانون۔ اس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

علماء مغربی افکار کا مؤثر دفاع انگریزی زبان سیکھ کر کر سکتے ہیں

(الف) جدید مغربی تعلیم کے اثر سے دنیا میں جتنی گمراہیاں پھیلی ہیں ان سب کے سرچشمے انگریزی زبان میں ہیں اور جب تک ان گمراہیوں کے اصل منابع سے کما حقہ واقفیت نہ ہو، ان کی تردید اور ان پر تنقید وتبصرہ ان لوگوں کے لیے پوری طرح مؤثر نہیں ہوتا جو ان کے براہ راست مطالعے سے مرعوب ومتاثر ہوئے ہیں۔

یہ تقریباً وہی صورتِ حال ہے جو عباسی خلافت کے زمانے میں یونانی فلسفے کے رواج عام سے پیدا ہوئی تھی۔ اس وقت فکری اور عقلی گمراہیوں کا اصل سرچشمہ یونانی منطق اور فلسفہ تھا اور جن لوگوں کے ذہن اس سے مرعوب ومتاثر تھے، ان کے شکوک وشبہات کا مؤثر علاج اسی طرح ہو سکتا تھا کہ علماء اسلام اس منطق اور فلسفے پر عبور حاصل کر کے اسی زبان واسلوب میں اس کی تردید کریں چنانچہ علماء اسلام نے اس منطق اور فلسفے کو داخل نصاب کیا، اس میں اعلیٰ درجے کی مہارت پیدا کی اور پھر وقت کی گمراہیوں کا ایسا مؤثر سدباب کیا کہ وہ ایک ایک کر کے اپنی موت آپ مر گئیں۔

اس وقت دینی علوم کے نصاب میں منطق اور فلسفہ کو اس لیے داخل نہیں کیا گیا تھا کہ علماء اسے ذریعہ معاش یا اپنا مستقل مشغلہ بنائیں گے بلکہ اس کا مقصد وقت کی ایک اہم دینی ضرورت کو پورا کرنا تھا۔ بعینہٖ اسی طرح آج مغرب سے اٹھنے والے نظریات اور ان کی گمراہیوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور عالم اسلام کا بھی وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو معاشرے کی ایک موثر قوت کی حیثیت رکھتا ہے، انہی نظریات سے متاثر اور بڑی حد تک ان کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ ان نظریات کی تردید میں اب تک جو کام ہوا ہے وہ ان لوگوں کے ایمان ویقین کے تحفظ کے لیے تو کسی درجے میں کارآمد ہے جن پر دین کی گرفت پہلے ہی سے مضبوط ہے لیکن جو لوگ ان نظریات سے ایسے متاثر ہوئے ہیں کہ ان پر دین کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے ان کو واپس لانے کے لیے کافی نہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اسی طرز پر کام کرنے کی ضرورت ہے جس طرز پر یونانی نظریات کی یلغار کے مقابلے میں متکلمین اسلام نے انجام دیا تھا۔ یہ کام علماء امت کے ذمے ایک قرض ہے جس کی ادائیگی میں جتنی تاخیر ہوگی، مغربی گمراہیوں کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہوتا جائے گا۔ (جاری ہے)

تعلیم و تربیت

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

مغرب کی سوشل سائنسز کو ردّ کرنے اور
سوشل سائنسز کی اسلامی تناظر میں تدوینِ نو کی ضرورت

یونیورسٹی آف مینجمنٹ وٹیکنالوجی لاہور میں سوشل سائنسز پر سیمینار سے
مدیر البرہان کا خطاب

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ﴾ [آل عمران ۳: ۸۵] یعنی دین کے طور پر ہمیں اسلام کے سوا کوئی اور نظریۂ حیات قبول نہیں۔ دین کا مطلب صرف نماز روزہ نہیں بلکہ فرد کی تعمیرِ سیرت پر اثر انداز ہونے والے سارے معاشرتی عوامل اور اجتماعی زندگی پر اثر ہونے والے سارے معاشرتی ادارے اس میں شامل ہیں۔ دوسری بات جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ذات علم کا منبع ہے ﴿اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪﴾ [الملک ۶۷: ۲۶] پھر قرآن میں ۱۰۴ مرتبہ فرمایا ہے کہ وہ ''علیم'' بلکہ ''العلیم'' ہے اور اس کا علم حتمی طور پر صحیح ہے ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ﴾ [البقرہ ۲:۲]۔ ان دو آیات سے امت کے اہل علم نے ہمیشہ یہ سمجھا ہے کہ علم صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اسی لیے عقلی وتجرباتی علوم کو وہ فن سے تعبیر کرتے تھے اور صرف اسی صورت میں اسے قابل قبول سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے 'العلم' کے مطابق ہو، دین کے مقاصد کو پورا کرتا ہو اور اس کے خلاف نہ ہو۔ ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ سوشل سائنسز کے بارے میں صرف وہ علم صحیح ہے جو قرآن وسنت نے دیا ہے یا جو اس کے مطابق ہو۔

مغرب کی فکر و تہذیب نہ صرف مذہب اور وحی کو ردّ کرتی ہے بلکہ اس کی آئیڈیالوجی (ہیومنزم، سیکولرزم، لبرل ازم، کیپٹل ازم، ایمپیریسزم وغیرہ) اور اس پر مبنی اس کے پیراڈائم میں نمو پانے والے سارے علوم نہ صرف کفر والحاد کا زہر اپنے اندر رکھتے ہیں بلکہ مغربی فلسفیوں اور دانشوروں کے بقول انسانیت کے لیے تباہ کن بھی ہیں۔

کارل پوپر تسلیم کرتا ہے کہ کوئی علم بھی غیر اقداری (Value Neutral) نہیں ہوتا بلکہ یہ صاحب علم کے ورلڈ ویو اور تصورِ علم کی پیداوار ہوتا ہے۔ ہائیڈیگر جیسا عظیم فلسفی اپنی کتاب

''Question Concerning Technology''میں سائنس وٹیکنالوجی کے بارے میں، جسے اکثر لوگ ویلیو نیوٹرل سمجھتے ہیں، کہتا ہے کہ اس ٹیکنالوجی نے متبادل دین کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ ناسا کا چیف سائنٹسٹ ڈاکٹر سائمن راموا پنی کتاب ''What is Wrong with our Technological Society''میں کہتا ہے کہ مغربی علوم اور سائنس وٹیکنالوجی نے ہماری اخلاقی اقدار کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

ہزرل(Husserl)اپنی کتاب ''Crisis of the European Sciences'' میں مغربی علوم کو تباہ کن قرار دیتا ہے۔ ایرک فرام (Erich Fromm)نے اپنی کتاب ''The Sane Society''میں کہا ہے کہ جدید علوم نے انسان کو تاریخ کی بدترین غلامی میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہربرٹ مارکوزے(Herbert Marcuse) نے اپنی تصنیف ''One-Dimensional Man''میں تسلیم کیا ہے کہ جدید مغربی علوم نے انسان کو دکھی کر دیا ہے لیکن معاشرتی جبر اتنا شدید ہے کہ وہ فریاد بھی نہیں کر سکتا۔

نطشے کہتا ہے کہ آقاؤں (Master)کے اخلاق الگ ہوتے ہیں اور غلاموں (Slava)کے الگ چنانچہ انگریزی استعمار کے نمائندے لارڈ میکالے نے ۱۸۳۲ء میں جس نظام کی تعلیم کی بنیاد رکھنے کی تجویز دی تھی اور جسے برٹش پارلیمنٹ نے منظور کیا تھا وہ اچھے غلام تیار کرنے کا تعلیمی منصوبہ تھا جس پر انگریز استعمار نے کامیابی سے عمل کیا۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ آزاد ہونے کے بعد ہمیں ایسے حکمران ملے جنھوں نے لارڈ میکالے کا یہ نظام تعلیم جاری رکھا۔ مسلم عوام اور دینی قوتوں کے دباؤ پر ان کی اشک شوئی کے لیے اس میں محض کچھ درخ اندوزی یعنی تھوڑا بہت Patch work کر دیا گیا اور ایک مریل سا اسلامیات کا مضمون شامل نصاب کر دیا گیا۔

خلاصہ ہمارے کہنے کا یہ ہے کہ ہمارے ہاں جتنے علوم ہیں، خصوصاً سوشل سائنسز، آج بھی وہی ہیں جو مغرب کی الحادی فکر وتہذیب اور اس کے مبنی بر کفر ورلڈ ویو اور فلسفۂ علم کی پیداوار ہیں اور جو کامیابی سے مغرب کے فکری غلام پیدا کر رہے ہیں۔ ہمیں اگر اپنا دین عزیز ہے، اگر ہمیں اپنے اصول اور اپنی اقدار عزیز ہیں۔ اگر ہم اپنی نسلوں کو مسلمان بنانا چاہتے

ہیں، اگر ہمیں دنیا وآخرت میں کامیابی مطلوب ہے تو اس کا ایک ہی حل ہے کہ ہم اپنی تعلیم کو اور اپنے علوم کو Decolonize کریں خصوصاً مغرب کی سوشل سائنسز کو ردّ کردیں اور اسلام کے ورلڈ ویو اور اس کے فلسفۂ علم کے مطابق سارے علوم کی خصوصاً سوشل سائنسز کی تشکیلِ نو اور تدوینِ نو کریں۔ ہماری یونیورسٹیاں مغرب کی سوشل سائنسز پڑھانا بند کردیں اور سوشل سائنسز کے وہ ماہرین جو قرآن وسنت اور اسلام کو آج بھی قابل عمل سمجھتے ہیں اور ایسے افراد تیار کرنا چاہتے ہیں جو قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزاریں تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ سوشل سائنسز کے موجودہ نصابات پر نظر ثانی کریں اور اسلامی تناظر میں سوشل سائنسز کی نئی نصابی کتب مدون کریں۔

ہم ان لوگوں کے نظریے کو ردّ کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اسلام اور مغرب کی الحادی فکر وتہذیب اور اس کی سوشل سائنسز کے علوم کو ملا کر ایک ملغوبہ تیار کرلیا جائے اور ان سے کام چلایا جائے۔ اس لیے کہ اسلام اور مغربی فکر وتہذیب دو متضاد پیراڈائمز ہیں اور ان کو اکٹھا نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں! مغرب سے محدود اور مشروط استفادہ کیا جاسکتا ہے لیکن صرف اس صورت میں جب سوشل سائنسز کی تدوینِ نو کرنے والے اصحاب علم یہ اصولی اور شعوری طور پر طے کرلیں اور لکھ کر اپنے سامنے رکھ لیں کہ اسلامی بنیادوں پر سوشل سائنسز کی عمارت اٹھائیں گے اور مغرب کی نقالی نہیں کریں گے سوائے ان دو چار فیصد تجرباتی پہلوؤں کے جن سے انسانی تجربے کے طور پر محدود استفادہ کیا جاسکتا ہو۔

بقیہ: نماز کا ایک انوکھا اور حیران کن پہلو

اور مَیں سوچنے لگا اور تصور کرنے لگا کہ انسان سے تشویش، بے چینی اور کنجوسی نکل جائیں تو کیسی حالت ہوتی ہے انسان کی۔ یعنی نماز کی برکت سے اگر انسان کے دل سے تشویش، بے چینی اور کنجوسی نکل جائیں اور اس کی پریشانی، گھٹن اور تنگدلی دور ہوجائے، تو انسان میں کیسی وسعت، اور کیسی کشادگی آجاتی ہے۔ انسان کی طبیعت کتنی ہلکی پھلکی ہوجاتی ہے اور اس کے دل پر بوجھ ڈالنے والی چیزیں کس طرح غائب ہوجاتی ہیں۔

بے شک نماز ایک عظیم نعمت ہے۔

تفہیم دین

ابوبکر قدوسی

الحاد وتشکیک اور دینی مدارس وعلماء کا طرزِ عمل

نوجوان خود ایک معروف صاحب علم کے فرزند ہیں اور مدرسے سے پڑھے، جمعہ بھی پڑھاتے ہیں لیکن آج میرے پاس بیٹھے نوحہ پڑھ رہے تھے اور مَیں ابھی تک صدمے میں ہوں۔

ان کا بتانا تھا کہ ایک معروف مذہبی خاندان کا بچہ جو لاہور کے ایک بڑے مدرسے میں پڑھتا ہے، اس نے امانت کہہ کر بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بارے میں تشکیک میں مبتلا ہے اور ساتھ یہ کہ وہ ان احادیث کو ہرگز نہیں مانتا جو اس کی سمجھ میں نہ آئیں۔ لیکن اس کا یہ کہنا بھی تھا کہ وہ اپنے وساوس اور تشکیک کا ذکر اپنے کسی استاد سے نہیں کرسکتا کیونکہ تشفی اور نرمی کا کوئی امکان نہیں۔ اسی مدرسے کا دوسرا طالب علم جو اس کا ساتھی تھا وہ مکمل ملحد ہوگیا۔

میرے بہت عزیز دوست جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور مدتوں اہل علم کی پابوسی کی، آج بھی درست عقیدے و منہج پر ہیں۔ ایک صحیح حدیث پر الجھن میں مبتلا ہوئے۔ قریبی شیخ الحدیث کے سامنے اپنے اشکالات رکھے تو وہ یوں برہم ہوئے کہ دوست حیران ہو گئے۔ نصف صدی کی دینداری کو لمحوں میں ''گمراہی'' کے لفظوں میں لپیٹ دیا۔

بلاشبہ ہم جیسے جاہل کوئی حق نہیں رکھتے ان علمی موضوعات پر بات کرنے کا، لکھنے کا، گفتگو کرنے کا لیکن جیسی مہم جوئی ہم جہلاء کے بارے میں کی جاتی ہے، حضور کچھ وقت اپنے اداروں کو بھی دیجیے۔ آپ کے طلاب خاموش ہیں لیکن اس طوفان کی مانند جو کسی وقت اچانک پھٹ پڑتا ہے۔

اور یہ بھی عرض کردوں کہ مَیں مزید کتنے ہی واقعات کا شاہد ہوں جو مسلسل پیش آرہے ہیں۔ مَیں اس نوجوان کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ ٹوٹا ہوا میرے پاس آیا اور بتایا کہ نماز بنا وضو کے محض باپ کے ڈر سے پڑھتا ہوں وگرنہ اندر کچھ نہیں ہے؛ جبکہ اس کا والد ایک بڑی مذہبی جماعت کا رہنما ہے۔ مَیں نے اس ٹوٹے بکھرے نوجوان کو گلے سے لگایا اور کہا آج میرے ساتھ وضو کرکے نماز پڑھ لو پلیز۔

تفہیم دین ڈاکٹر محمد اکرم

الحاد کی موجودہ لہر کا اصل جواب

عقل کو مذہبی مباحث سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عملاً کسی مذہب کی قبولیت عقلی دلائل سے زیادہ اخلاقی اور روحانی کشش کی بنیاد پر ہوتی ہے. آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ کیسے لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا اخلاق دیکھ کر اسلام قبول کر لیتے تھے۔ کوئی قرآن کریم کی صرف چند آیات سن کر مشرف با سلام ہو گیا تو کوئی محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رخ انور کی زیارت کر کے۔ مگر آپ کو اِکّا دُکّا استثنا کو چھوڑ کر ایسی مثالیں کم ہی ملیں گی کہ کسی موقع پر اہل حق اور باطل میں بحث چھڑ گئی جسے سننے کے لیے مجمع اکٹھا ہو گیا اور اہلِ حق نے اپنے دلائل سے مخالفین کو چپ کرا دیا جس پر لوگ مسلمان ہو گئے۔

آج دنیا میں الحاد تیزی سے پھیل رہا ہے۔ جس کے اثرات انٹرنیٹ وغیرہ کی وجہ سے مسلمان معاشروں میں بھی کسی حد تک سرایت کر رہے ہیں۔ لیکن ہمیں سمجھنا چاہیے کہ شاید اتنے لوگ ملحدانہ فلسفہ پڑھ کر مذہب نہیں چھوڑ رہے جتنے مذہبی لوگوں کے خراب معاملات، برے اخلاق اور کج بحثیاں دیکھ کر مذہب بے زار ہو رہے ہیں۔ اس لیے آج اگر دنیا میں الحاد بڑھ رہا ہے تو اس کے توڑ کے لیے مذہبی طبقات کو فلسفیانہ مباحثوں سے زیادہ اپنی خلاقی صورت حال بہتر کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ نیز دنیا کے سامنے لانے کی ضرورت ہے کہ جدید معاشروں کے نفسیاتی تضادات میں گھرے انسان کو مذہب کیسے داخلی اور روحانی سکون کی نعمت عطا کر سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے ایسا عملی مثالوں سے کیا جا سکتا ہے، لمبے لمبے واعظوں یا مدِ مقابل کو نیچا دکھانے والے فلسفیانہ مباحثوں کے ذریعے نہیں۔

البرہان

علماء کرام کی ذمہ داری ہے، خصوصاً ان کی جو درس و تدریس سے وابستہ ہیں، کہ عصری حالات کو سمجھیں۔ مغرب کی لادین فکر و تہذیب دنیا پر غالب ہے۔ پاکستان کے تعلیمی، دینی،

سماجی، سیاسی، معاشی حالات پر بھی وہ اثر انداز ہورہی ہے۔ وہ نوجوانوں میں تشکیک والحاد کے پھیلنے کا سبب ہے۔ علماء کرام کا فرض ہے کہ وہ حالات کو سمجھیں، بگاڑ کے سبب کا جائزہ لیں اور نرمی، شفقت اور محبت سے نوجوانوں کے سوالات کے جواب دیں۔ ان کے وسوسوں اور شبہات کو دور کریں، انہیں دلیل سے قائل کریں اور حکمت اور حسن اخلاق سے ان کو دین کے قریب لائیں نہ کہ تحکم اور نفرت سے ان کی دین سے دوری کا سبب بنیں۔

بقیہ: مغرب کی اندھی پیروی اور اس پر ایمان بالغیب

عہد حاضر کا انسان تاریخ انسانی کا وہ بدترین اور بدنصیب انسان ہے جو اپنے او پر تنقید کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے۔ جدیدیت پسند مفکرین اگر مارکوزے کی درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں تو شاید وہ مغرب کی اسلام کاری کے منصوبے سے تائب ہوجائیں:

1. *Reason and Revolution*, 1941
2. *Eros and Civilization*, 1955
3. *One Dimensional Man - Studies in Ideology of Advanced Industrial Society,* 1964
4. *Negations: Essays in Critical Theory,* 1968
5. *Counter Revolution and Revolt*, 1972

عہد جدید کے انسان کے المیوں کی کہانی سننے، جاننے اور سمجھنے کے لیے جدیدیت پسند مفکرین روشن خیالی کی جدلیات کا مطالعہ کریں اور Adorno اور یاک ہائمر کی کتاب *The Dialectic of Enlightenment* کا مطالعہ کریں تو روشن خیالی کے فلسفے کو اسلامی ثابت کرنے کی خرافات سے بھی دستبردار ہوجائیں گے۔

پاکستانیات

پروفیسر عبدالخالق سہریانی بلوچ

پاکستان کا اخلاقی، سیاسی اور معاشی بحران

اہل علم و دانش، صحافیوں اور ادیبوں کو اصلاح کے لیے میدانِ عمل میں اترنا چاہیے

موجودہ دور میں پاکستان خصوصاً سندھ اور پنجاب میں مسلمان نوجوان کی دینی اور اخلاقی حالت بڑی ابتری کا شکار ہے۔ اس بات کا اندازہ ان حضرات کو بخوبی ہوتا ہے جو درس تدریس کے میدان میں مصروفِ کار ہیں۔ دوسری طرف بلوچستان اور خیبر PK کے نوجوان دینی اور اخلاقی کمزوریوں کے ساتھ جن نظریاتی فتنوں کا شکار ہو رہے ہیں وہ بڑے خطرناک فتنے ہیں جن میں الحاد کے ساتھ مملکت پاکستان اور اس کی نظریاتی بنیاد سے انحراف شامل ہے۔ یہ صورتِ حال سندھ میں بھی موجود ہے۔

پاکستان کے قیام سے پہلے کی صورتِ حال اس سے مختلف تھی۔ نوجوانوں میں تحریک آزادی کے لیے بڑا جذبہ پایا جاتا تھا۔ وہ تحریک پاکستان کے ہراول دستہ میں شامل تھے۔ وہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی مملکت سے بڑی امیدیں وابستہ رکھتے تھے۔ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

مگر اس صورتِ حال کے بعد جب مملکت پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو پھر اس جذبۂ ملی وقومی میں انحطاط آنا شروع ہوا۔ قائداعظم اور ان کے مخلص ساتھی ہم سے جدا ہو گئے۔ ملک کا نظام چلانے کے لیے قیادت کا فقدان پیدا ہوا۔ نظریۂ پاکستان کو بھلا دیا گیا۔ سرمایہ دار طبقہ نے ملک کی سیاسی قیادت میں غلبہ حاصل کرلیا۔ اقتدار حاصل کرنے کے لیے مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہونے لگیں۔ حصول اقتدار کی جنگ روز بروز تیز ہوتی گئی۔ اس کا فائدہ اس طاقتور طبقہ نے اٹھایا۔ اس طرح نظریۂ پاکستان اور اسلام سے وابستگی کمزور ہوتی گئی، یہاں تک کہ اس کے نتیجہ میں پاکستان کا ایک حصہ ہم سے الگ ہو گیا۔

پاکستان ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے قائم کیا گیا تھا۔ اس کا مقصدِ وجود اسلامی نظام کو مملکت کے تمام شعبہ ہائے حیات میں نافذ کرنا تھا۔ اس مقصد کے لیے ازبس ضروری تھا

کہ معاشرے کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالا جاتا۔ اس کے لیے عملی اقدامات کی خاطر اسلامی نظام تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا جاتا اور نظریۂ پاکستان کو فروغ دینے کے لیے ادارے قائم کیے جاتے مگر عملی طور پر ان تمام امور کو نظر انداز کر دیا گیا۔ صرف زبانی کلامی طور پر کام ہوتا رہا جو سخت ناپائیدار ثابت ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم میں دینی اور ملی یکجہتی پیدا نہ ہو سکی۔ ملک میں قومی ولسانی فتنے پیدا ہونے لگے۔ دوسری جانب مذہب کے نام پر فرقہ پرستی کو فروغ ملا جس سے فتنہ پرور طبقہ نے فائدہ اٹھایا۔ سیاسی طور پر صوبائی تعصّبات کو تقویت حاصل ہوئی، لوگ نظریۂ پاکستان کو بھول گئے اور علیحدگی کی تحریکیں شروع ہو گئیں۔ یہ صورتِ حال اس وقت اپنے عروج تک پہنچ چکی ہے۔

ملک سیاسی انحطاط کے بعد معاشی زوال کی طرف رواں دواں ہے۔ پاکستان کی دشمن قوتیں اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے پر تول رہی ہیں۔ ملک کی سرحدیں اسے دہشت گردوں سے بچانے میں کمزور ثابت ہو رہی ہیں اور اندرونی خلفشار نے اس صورتِ حال کو خطرناک بنا دیا ہے۔ حکومتی سطح پر اب کسی اصلاح کی امید باقی نہیں رہی، ہم ایک بڑے اور خطرناک سانحہ کے لیے میدان ہموار تر چکے ہیں۔

اس صورتِ حال میں، ہمارے نزدیک، اصلاح کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان کے محب وطن اور اسلام دوست اہل دانش اور اہل قلم اس صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کریں اور ان حالات کو بدلنے کا عزم لے کر اٹھیں۔ متحد اور منظم انداز میں پاکستان کو اس بحران سے نکالنے کے لیے کسی سیاسی حل یا الیکشن کا انتظار کیے بغیر پورے ملک کا دورہ کر کے پاکستان کے عوام کو ملک کو بچانے کے لیے متحد اور منظم کریں۔ انہیں مایوسی سے بچائیں، حالات کی نزاکت کا احساس دلائیں تا کہ کسی غیر ملکی سازش سے ملک کو بچایا جا سکے اور قوم پوری طور پر متحد ہو کر ان سازشوں کا مقابلہ کر سکے۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکے گا جب ہم اسلام اور پاکستان سے دل سے محبت کرنے کا حلف اٹھا کر میدان عمل میں اتریں گے اور تبھی ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت، فلاح اور کامیابی حاصل ہوگی۔

پاکستانیات　　　پروفیسر عاصم حفیظ

کیا پاکستان ایک غریب ملک ہے؟

پاکستان میں وسائل کی کمی نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ وسائل ایک مختصر سے امیر طبقے میں مرتکز ہو گئے ہیں اور عوام بھوک مر رہے ہیں

ڈی ایچ اے لاہور کے باسیوں نے امارت میں دنیا کا ریکارڈ توڑ دیا

۱۰ فروری ۲۰۲۳ء کو ڈی ایچ اے (ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی) لاہور فیز ۶ میں مشہور کینیڈین کافی برانڈ ٹِم ہارٹنز (Tim Hortens) کا افتتاح تھا۔ پاکستانی امراء مہنگی ترین کافی کے لیے کئی کئی گھنٹے لائنوں میں لگے رہے۔ سینکڑوں قیمتی ترین گاڑیاں انتظار کرتی رہیں کہ کب ان کی باری آئے۔ ٹِم ہارٹنز نے پاکستانی خریداروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ہے کہ لاہوریوں نے ان کے برانڈ کی 1964ء سے شروعات اور 15 ممالک میں 5352 ریسٹورنٹس پر پہلے دن کی سیل کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ یعنی لاہوریوں نے پہلے دن جتنی خریداری کی اتنی ٹِم ہارٹنز کی 58 سالہ تاریخ میں کسی بھی برانچ اور کسی بھی ملک میں نہیں کی گئی۔ جی ہاں دنیا کے امیر ترین ممالک میں بھی نہیں۔ یوں ثابت ہو گیا کہ پاکستان ایک امیر اور باوسائل ملک ہے۔

یہ ارض پاک کے دو رخ ہیں۔ جہاں ایک طرف غریبوں کی آٹے روٹی کے لیے لائنیں لگی ہوتی ہیں۔ کہیں کوئی مفت کھانا بانٹ رہا ہو، راشن مل رہا ہو یا چند روپے سستا کچھ بھی، وہاں لمبی لائنیں ہوتی ہیں۔ غریب آٹے کی لائنوں میں لگے لگے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔

یہ دو پاکستان ہیں۔ جہاں ایک طبقے سے ٹیکس اور ظالمانہ نظام کے ذریعے چھین کر دولت، وسائل اور سرمایہ دوسرے طبقے کو پہنچایا جا رہا ہے۔ ایک طرف کے غریبوں کے لیے خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں حتی کہ دو وقت کے کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں۔ یہاں والدین بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر بچوں سمیت خودکشی کر لیتے ہیں۔

دوسری طرف کے پاس اتنے وسائل ہیں، اتنا سرمایہ ہے، دولت کے اتنے انبار ہیں کہ انہیں سمجھ نہیں آتی کہ کہاں خرچ کریں اور کیسے خرچ کریں! یہ صرف ایک ایلیٹ علاقے کی کہانی

نہیں ہے۔تجربہ کرنا ہوتو ہفتہ اتوار لاہور کے ایم ایم عالم روڈ کے ریستورانوں کا وزٹ کریں۔ گزشتہ دنوں کسی نے لبرٹی کے ایک ہوٹل میں ناشتے کی دعوت دی۔پندرہ منٹ تو گاڑی کو پارکنگ نہ ملی اور پھر ٹیبل کے انتظار میں 25واں نمبر۔جی صبح صبح کا ناشتہ۔شام کے بوفے اور ڈنرز کا حال جاننے کے لیے خود تجربہ کرکے دیکھ لیں۔یہاں امراء کے ایک سو گالف کلب سرکاری خرچ پر چلتے ہیں۔یہاں سینکڑوں ایکڑ کے جمخانہ اور کئی اور قسم کے کلب جن کے ممبرز اتنے ہیں اور رش اتنا کہ دیکھ کر حیران رہ جائیں۔ان کلبوں اور گالف کے اخراجات سے کئی شہر پالے جاسکتے ہیں۔

اس ارض پاک کی دولت چند ایلیٹ علاقوں میں جمع ہو رہی ہے۔جہاں داخلے ممنوع ہیں۔باہر والوں کو تو چھوڑیں بحریہ ٹاون کے اندر کئی طبقات ہیں۔ڈیفنس ہے اور کئی اور ایسی ہاؤسنگ سوسائٹیز جہاں پر سجاوٹ، پھولوں کی پرورش، پارک، لائٹنگ اور فواروں کے خرچ کا حساب لگالیا جائے تو ان سے کئی غریب بلکہ پورے پورے شہر پالے جاسکتے ہیں۔اس دولت کا کوئی حساب نہیں۔ان سے ٹیکس کوئی نہیں لے سکتا۔یقین مانیں ان ایلیٹ علاقوں کے مکین اگر صرف اڑھائی فیصد سالانہ زکوۃ ہی دینے لگ جائیں تو پورے ملک میں کوئی بھوکا نہ سوئے بلکہ خوشحالی کا دور دورہ ہو۔اس طبقے کی دولت بنکوں یا کمپنیوں میں نہیں بنکروں اور تہہ خانوں میں ہے، جسے محفوظ بنانے کے لیے وہ کئی کئی سکیورٹی چیک سے گزرنے والے علاقوں میں رہتے ہیں جہاں ریاست کی رسائی بھی نہیں ہے۔

جب تک امراء کی بے پناہ دولت سے ٹیکس لے کر غرباء پر خرچ نہیں کیا جاتا۔ہم یونہی چند ٹکوں کے قرض کے لیے خوار ہوتے رہیں گے۔کبھی آئی ایم ایف کے سامنے اور کبھی کسی اور کے در پر۔

البرہان

تاجروں کے علاوہ ارکانِ پارلیمنٹ، ججز، بیوروکریسی، دفاعی افواج کے افسران وغیرہ کی سہولتوں اور آسائشوں پر کروڑوں نہیں اربوں روپے خرچ ہوتے ہیں جبکہ عوام دووقت کی روٹی کو ترس رہے ہیں اور مہنگائی میں پس رہے ہیں۔ان حالات میں امیروں میں ارتکاز دولت کرنے والے سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے معیشت کے اسلامی اصولوں پر عمل ضروری ہے تاکہ تقسیم دولت کا نظام بہتر ہوسکے اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف ہوسکے تاکہ ان کی بنیادی ضروریات بھی عزت سے پوری ہوسکیں۔

تفہیم دین سید خالد جامعی

مغرب کی اندھی پیروی اور اس پر ایمان بالغیب

جدیدیت پسند مفکرین مغربی تہذیب اور اس کی تاریخ سے ناواقفیت کی بناء پر مغرب کی اندھی پیروی میں اپنی تاریخ کا انکار کرتے ہیں لہٰذا وہ مغرب سے آنے والے ہر خیال، ہر تصور اور ہر نظریے کی اسلام کاری پر تلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مغربی فلاسفہ کی مغرب کے فلسفے اور سائنس و ٹیکنالوجی پر تنقید نہیں پڑھی۔ وہ مغربی تہذیب کی تباہ کاریوں پر مغرب کے اہم لوگوں کی تنقید سے ناواقف ہیں لہٰذا مغرب پر ایمان بالغیب کے ساتھ وہ اپنے فکری ایمان کا اعلان کر کے اپنے علمی سفر کا آغاز کرتے ہیں اور قدم قدم پر ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اگر وہ صرف ہزرل کی کتاب *Critiques on European Sciences* اور ہائی ڈیگر کی کتاب *Question Concerning Technology* پڑھ لیتے تو ان کے بہت سے شبہات رفع ہو جاتے۔

مغرب کے فلاسفہ کا خیال ہے کہ جدید انسان ایک قسم کی غلامی سے آزاد ہو کر دوسری قسم کی بدترین غلامی یعنی مشین اور ٹیکنالوجی کا غلام بن گیا ہے۔ مذہب کی زنجیروں سے نکل کر سائنس و ٹیکنالوجی کے مذہب میں داخل ہو گیا ہے، جس سے نکلنا اب محال ہے۔ مطلقیت اور آفاقیت کے خواب بکھر گئے ہیں ہیں اور ان کی جگہ اضافیت، بے معنویت، بے مقصدیت، بے اطمینانی، بددلی اور بے زاری سکہ رائج الوقت بن گئے ہیں۔ کسی لفظ کے کوئی معنی نہیں، چنانچہ کسی قدر، کسی نقطۂ نظر، کسی فکر، کسی گفتگو، کسی سوچ، کسی خواہش کے کوئی معنی نہیں۔ جس تہذیب و تاریخ نے یہ نقطہ ہائے نظر پیش کیے ہیں جدیدیت پسند مفکرین اسی تہذیب کی برتری کے لیے کوشاں ہیں اور عالم اسلام کو مغربیانے میں شب و روز مصروف ہیں۔ جدید طرز زندگی کے مظاہر پر ایرک فرام کے نقد سے جدیدیت پسند مفکرین ناواقف ہیں۔ اگر وہ اس کی مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کر لیتے تو ان کے بہت سے واہمے دور ہو جاتے:

1. *The Sane Society*
2. *The Revolution of Hope*

3. *Escape from Freedom* 1941
4. *The Art of Loving,* 1956
5. *The Forgotten Language*, 1960
6. *To Have or Be*

ایرک کہتا ہے کہ جدید تہذیب نے ایک غیر ہوش مند معاشرے کو جنم دیا ہے، عقل کی خدائی نے انسان کو تاریخ کی بدترین غلامی میں مبتلا کر دیا ہے۔ سرمایہ داری اور صنعتی دور نے انسان کی اصل فطرت اور جذبات کو مسخ کر دیا ہے۔ جدید انسان غیر صحت مند، بیمار اور مریض ہے۔ مادی آسائشوں کا طلب گار جدید انسان ایک دوسرے کو کچلنے میں مصروف ہے۔ بے اندازہ مادی ترقی اس کے زوال کا اہم عنصر ہے۔ جدیدیت نے نئے مذہب کو جنم دیا ہے جس کا نام ترقی ہے اور جو انسان کو خدا کی بستی کی بجائے ترقی کی بستی اور غلامی کی پستی تک پہنچا تا ہے۔ صنعتی انقلاب نے ثابت کر دیا ہے کہ Great Promise (عظیم وعدہ) ایک فریب تھا کیونکہ لامحدود لذات کا حصول لامحدود بے چینی، لامحدود گناہ کی زندگی، لامحدود بیماریاں، تکالیف اور خباثتوں کو جنم دینے کا باعث ہے۔ اس کے خیال میں عصر حاضر کے انسان کی بنیادی بیماری حاصل کرنے (To Achieve) کی خواہش ہے۔ حرص، لالچ، بے اطمینانی، ایک نہ مٹنے والی بھوک، ایک نہ مٹنے والی پیاس عہد حاضر کے انسان کا مقدر بنا دی گئی ہے جس کا اصل سبب مغربی ویورپی سائنس وٹیکنالوجی ہے۔ جدیدیت نے ایک ایسی تہذیب کو جنم دیا ہے جو زندگی کو خودکشی کی راہوں پر لے جا رہی ہے۔ ایرک فرام نے مغرب میں انسانوں پر جبر کی طویل کہانی بھی تحریر کی ہے۔

جدیدیت، مغربی فلسفے، مغربی سائنس اور مغربی ٹیکنالوجی نے یک رخے انسان کو جنم دیا ہے جو جدیدیت پسند مفکرین کا پسندیدہ انسان ہے۔ اس انسان کی بیخ کنی ہربرٹ مارکوزے (Herbert Marcuse) نے اپنی کتاب ''One Dimensional Man'' میں کی ہے۔ مارکوزے کا تعلق فلسفے کے فرانکفرٹ اسکول سے ہے۔ مارکوزے کی کتاب انسانی تہذیب کے عروج وزوال کی ایک المناک داستان اور صنعتی انقلاب اور روشن خیالی (Enlightenment) کے دور کی پرسوز کہانی ہے۔ اس کے خیال میں انسانی تہذیب کا تنزل سترہویں صدی کی روشن

خیالی کے دور سے شروع ہو گیا۔ صنعتی انقلاب کے نتیجے میں اب مزدور کے لیے دو وقت کی روٹی حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے لیکن انسان سائنس و ٹیکنالوجی کی چکا چوند میں دیکھنے، کہنے، سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو گیا ہے۔ یہ سائنس و ٹیکنالوجی بدترین انسان دشمن ہے۔ مزدوروں کے اعلیٰ معیار زندگی نے سرمایہ داروں اور سرمایہ داری پر تنقید کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ معاشرتی جبر تاریخ میں کبھی اس قدر نہ تھا جو جدیدیت کے ذریعے ہر جگہ در آیا ہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ جو دو کپڑوں میں خوش تھا اسے بیس جوڑے خریدنے پر اکسانا، جو پرانی کار میں مگن تھا اسے نئی کار خریدنے پر مجبور کرنا، جو اپنی کٹیا میں مست تھا اسے عالی شان بنگلوں میں قرضوں کے ذریعے مقیم ہونے پر بھڑکانا عہد حاضر کا کمال ہے۔ ہر فرد سرمایہ، سائنس و ٹیکنالوجی کی زنجیرِ غلامی میں باندھ دیا گیا ہے اور اس کے سحر میں مبتلا ہے۔ اسے زنجیریں اور بیڑیاں نظر آ رہی ہیں مگر وہ بخوشی انہیں پہنتا چلا جا رہا ہے۔ سچی ضروریات کی بجائے جھوٹی ضروریات زندگی (تعیّشات) نے انسانوں کو بدترین اقتصادی غلام بنا دیا ہے۔ ٹیکنالوجی ضروریات کے لیے کام نہیں کر رہی بلکہ ٹیکنالوجی انسان کو بتا رہی ہے کہ اس کی ضروریات کیا ہیں؟ کیونکہ اس کا تعلق سرمایہ دار سے ہے اور سرمایہ دار اپنے سرمایہ کے بل پر لوگوں کو بتاتا ہے کہ کیا چیز لوگوں کو خریدنے کی ضرورت ہے اور کیا نہیں؟ لہٰذا انسان سرمایہ داری کے آہنی پنجرے میں بند ہو گیا ہے۔ اسی کا دوسرا نام روسی اور چینی اشتراکیت بھی ہے۔

فکرِ معاش ہر فکر پر فائق، برتر اور غالب ہو گئی ہے۔ ہوس، حسد، کینہ حاصلِ زندگی ہے۔ مغرب کا انسان اندر سے بے حد دکھی ہے، تنہا ہے، غمزدہ ہے اور اس کا دل بجھا ہوا ہے مگر فریاد نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ اس لیے کہ آلاتی عقل یا عقل معاون (Instrumental Reason) کو ہر قدر، فکر اور نظریے پر بالادستی حاصل ہو گئی ہے۔ عقل انسانی نے ایجادات و اکتشافات کا ایک ایسا جال بچھا دیا ہے کہ اس سے نکلنا اب اس کے لیے ناممکن ہو گیا ہے۔ انسان تنقیدِ عقلی (Critical Reason) کا استعمال بھی بھول گیا ہے۔ اس کی یہ صلاحیت جدیدیت، مغربیت اور عیش و عشرت کی زندگی نے سلب کر لی ہے۔ وہ آلاتی عقل کا غلام ہو گیا ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۲۴)

تفہیم مغرب

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

''تم مغرب پر تنقید کیوں کرتے ہو؟''

''تفہیم مغرب کی تمہاری یہ سرگرمی اسلام، پاکستان اور علامہ اقبال کے خلاف ہے۔ یہ بے حمیتی پر مبنی ہے۔''

جناب محمد دین جوہر صاحب کے افکار عالیہ پر ایک نظر

[اس مضمون کو سمجھنے کے لیے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ محمد دین جوہر صاحب کی فیس بک وال پر ان کا مضمون ''تفہیم مغرب۔تحفظات، اشکالات، معروضات'' اور اس کے جواب میں (سید خالد جامعی صاحب اور) ڈاکٹر فصیح احمد صاحب کی گفتگو ان کے تفہیم مغرب کے واٹس ایپ گروپ 'احیائے علوم دین' کے سیشن ۹۶ میں بعنوان 'تفہیم مغرب کے مقاصد پر تنقیدی نکات کا جائزہ' اور اسی واٹس ایپ گروپ میں 'نوائے حق' مؤرخہ ۸ جنوری ۲۰۲۳ء عبدالکریم صاحب کی تحریر 'تنقید مغرب پر تنقید اور جواب' ملاحظہ فرمالیں۔]

اسلام اور مغربی فکر وتہذیب کے تعامل میں امت مسلمہ کے دینی حلقوں کی طرف سے جو ردّعمل سامنے آیا ہے، اس کی کئی شکلیں ہیں: عدم اعتناء، ردّ، تجدد اور مفاہمت وغیرہ۔ برصغیر اور پاکستان کے تناظر میں اگر اس ردّعمل کے حامل افراد کا اگر ہم نام لے کر ذکر کریں تو شاید قارئین کے لیے سمجھنا زیادہ آسان ہو۔

عدم اعتناء کے ردّعمل کے حامل ہیں ہمارے دینی مدارس اور اصلاحی وتبلیغی دینی جماعتیں اور ان کے علماء کرام۔ مغربی تہذیب کو ردّ کردینے کے علمبردار ہیں ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری، سید خالد جامعی اور راقم الحروف۔ تجدد کے علم بردار ہیں سر سید، غلام احمد قادیانی، احمد الدین امرتسری، اسلم جیراج پوری، غلام احمد پرویز، مولانا وحیدالدین خان، غلام جیلانی برق، ڈاکٹر جاوید اقبال اور آج کے پاکستان میں ڈاکٹر خالد مسعود، جاوید احمد غامدی اور ان کے تلامذہ (جیسے ڈاکٹر عمار ناصر، خورشید ندیم وغیرہ) اور مغربی تہذیب سے مفاہمت والے گروپ میں شامل سمجھے جاسکتے ہیں علامہ محمد اقبال (اپنی نثر میں)، مولانا مودودی اور آج کل کے علماء میں

سے مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا زاہد الراشدی اور اسلامی سکالرز میں سے جناب احمد جاوید اور محمد دین جوہر صاحب اور ان کے ہم نوا۔

مغرب سے مفاہمت والے گروپ کو ہم متلفقین (Reconciliators) کہتے ہیں جبکہ ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب اور ان کے تلامذہ انہیں ترمیم پسند (Revisionists) کہتے ہیں۔ یہ وہ احباب ہیں جو متجد دین کی طرح روایت کو رد نہیں کرتے بلکہ اس سے تمسک کا اظہار کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی مغربی فکر وتہذیب کو بھی رد نہیں کرتے بلکہ اس سے استفادے کے قائل ہیں جیسے علامہ اقبال مغرب کی لادین جمہوریت کو اسلامی رنگ دے کر اسے 'روحانی جمہوریت' قرار دیتے ہیں اور پارلیمنٹ کے ذریعے قانون سازی کو اجتماعی اجتہاد کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ مولانا مودودی اس الحادی جمہوریت میں کچھ اسلامی اصول داخل کرکے اسے 'اسلامی جمہوریت' قرار دیتے ہیں اور اس کے ذریعے پاکستان میں 'اقامت دین' اور 'اسلامی انقلاب' لانا چاہتے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی صاحب مغرب کے کفر والحاد پر مبنی 'نظام سرمایہ داری' کے تحت بینکنگ میں کچھ اسلامی اصول داخل کرکے اسے 'اسلامی بینکنگ' قرار دیتے ہیں اور اسی طرح مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اپنا رسالہ 'الشریعۃ' اور اپنا ادارہ 'شریعہ اکیڈمی' اپنے بیٹے عمار ناصر کے سپرد کر رکھا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی فرماتے اور پیٹھ ٹھونکتے ہیں حالانکہ وہ جاوید غامدی جیسے متجدد کا پاکستان میں علمی جانشین ہے۔ احمد جاوید صاحب ''حبِ علیؓ'' میں جاوید غامدی صاحب جیسے متجدد کی خوب تعریفیں کرتے ہیں اور محمد دین جوہر صاحب ''بغضِ معاویہؓ'' میں مغرب پر تنقید کرنے والے سید خالد جامعی صاحب کے مؤقف پر شدید تنقید کرتے ہیں اور اسے خلافِ دین، خلافِ عقل، خلافِ حمیت اور اسے پاکستان وعلامہ اقبال کے بھی خلاف قرار دیتے ہیں۔

احمد جاوید صاحب کی مدح غامدی پر ہمیں چند ماہ پیشتر دکھ کے ساتھ قلم اٹھانا پڑا تھا کیونکہ آنجناب ہمارے استاد بھی رہے ہیں اور آج جناب محمد دین جوہر صاحب کے 'جواہرات' پر نقد کا ناخوشگوار فریضہ ادا کرنے کے لیے بھی ہمیں قلم اٹھانا پڑا ہے لیکن کیا کریں، مجبوری ہے۔ جب

وہ مغرب کی بالواسطہ حمایت میں اپنے افکار وفرمودات کے اظہار میں بخل نہیں کرتے تو ہم بھی کچھ 'گزارشات' پیش کرنے پر مجبور ہیں، اگرچہ یہ فکری ستم ظریفی ہے کہ ہمارا 'حق' ان کے 'حق' سے مختلف ہے۔ چلیے خیر، اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔

تو ہم عرض یہ کرر ہے تھے کہ جناب محمد دین جوہر صاحب کو اس بات کا صدمہ اور تکلیف ہے کہ خالد جامعی صاحب اور ان کے رفقا اس مغرب پر تنقید کرتے ہیں جو ان کا محبوب ہے لیکن چونکہ وہ کھلم کھلا مغرب کی حمایت نہیں کر سکتے اس کے باوجود کہ وہ مانتے ہیں کہ ''یہ امر کہ مغرب کافر اور باطل ہے، ہمیں اپنے دین سے معلوم ہے'' (پیراگراف ۲) اور یہ کہ 'مغرب باطل ہے یہ بدیہی [طور پر] معلوم ہے'' (پیراگراف ۱۶) اس لیے انہوں نے 'حبِ علیؓ' کی راہ نہ پا کر 'بغض معاویہؓ' کا طریقہ اپنایا ہے اور وہ سید خالد جامعی اور ڈاکٹر فصیح اقبال کی تفہیم مغرب کی سرگرمیوں پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہاری تنقید غلط ہے، اس کا اسلوب ہی احمقانہ ہے۔ تمہاری تنقید غیر عقلی اور غیر علمی ہے اور دینی لحاظ سے بھی مضر ہے بلکہ یہ پاکستان اور علامہ اقبال کی فکر کے بھی خلاف ہے۔ سبحان اللہ!

ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ وہ فلسفی ہیں لہٰذا ان کی زبان جناتی ہے اور ان کے علم سے استفادہ کرنا یا اس سے حظ اٹھانا میرے جیسے دین کے ایک سادہ مزاج طالب علم کے لیے (جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے فلسفی نہیں ہے) مشکل ہے تاہم ان کے مضمون کے کئی دفعہ مطالعہ کے بعد جو جواہر پارے ہمارے ہاتھ لگے ہیں، ان کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

ہم تو ان کی اس بنیادی بات ہی کو نہیں سمجھ سکے کہ ''یہ امر کہ مغرب کافر اور باطل ہے، ہمیں اپنے دین سے معلوم ہے، علم سے معلوم نہیں ہے''۔ (پیراگراف ۲) وہ پیرا نمبر ۱۶ میں بتکرار کہتے ہیں کہ ''مغرب اور جدیدیت باطل ہے، مذہبی معاملہ ہے، علمی معاملہ نہیں ہے اور بدیہی ہے''۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر کانٹ، لاک اور ہیوم کہیں کہ مذہبی ہدایت 'علم' نہیں ہے Dogma ہے تو بات سمجھ میں آتی ہے کیونکہ ان کے فلسفۂ علم میں علم کا منبع عقل، انسانی تجربہ و مشاہدہ اور حسّی معلومات ہیں لیکن وحی کو ماننے والا محمد دین جوہر کیسے کہہ سکتا ہے کہ وحی سے

حاصل ہونے والا علم اور ہدایت 'علم' نہیں ہے جب کہ وحی نازل کرنے والا اللہ قرآن حکیم میں ۱۴۰ دفعہ کہتا ہے کہ وہ علیم اور العلیم ہے۔ ۹۳ دفعہ کہتا ہے کہ وہ جانتا ہے (یَعْلَمُ) اور صرف وہی جانتا ہے۔ وہ صاف کہتا ہے کہ صرف وہ علم کا منبع ہے ﴿اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ﴾ (الاحقاف ۴۶: ۲۳) اور تین دفعہ کہتا ہے کہ وہ ﴿عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کا علم حتمی طور پر صحیح ہے ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۖ فِیْهِ﴾ (البقرہ ۲: ۲) اور انسانوں سے بار بار کہتا ہے کہ تم نہیں جانتے مَیں جانتا ہوں ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (النحل ۱۶: ۷۴)۔

اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان اہل علم اور اہل تعلیم بارہ سو سال سے کہتے آرہے ہیں (فکری و عملی غلامی کی پچھلی اڑھائی صدیاں نکال دیجیے) کہ ''علم'' صرف وہ ہے جو اللہ نے دیا ہے۔ جہاں تک انسانی معلومات و تجربات کا تعلق ہے تو وہ 'فن' اور 'فنون' ہیں علم ہیں ہی نہیں۔ لیکن آج ہمارے یہ فلسفی بھائی اور دانشور کہتے ہیں کہ مغربی فکر و تہذیب کا باطل ہونا دین سے تو ثابت ہے 'علم' سے نہیں ہے۔ نہ معلوم ان کے ذہن میں 'علم' کی کیا تعریف ہے؟ جہاں تک صحیح الخیال اہل علم و دانش کا تعلق ہے وہ مغربی فکر و تہذیب کا نقل و عقل دونوں کے لحاظ سے مبنی بر جہالت و کفر و الحاد ہونا برسوں سے ثابت کر رہے ہیں۔

۲۔ محمد دین جوہر صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ تفہیم مغرب کے علم برداروں کا مسلمانوں کو مغرب سے اجتناب کا مشورہ دینا بھی خلاف عقل و نقل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہماری آدھی بات نہ پکڑیئے، ہمارا پورا بیانیہ سامنے رکھیے جو یہ ہے کہ 'کفر پر مبنی مغربی فکر و تہذیب کو ردّ کر دو اور اسلام کی طرف لوٹ آؤ'۔ ہمیں اللہ نے قرآن میں حکم دیا ہے کہ اخلاص سے دین کے احکام پر عمل کریں اور کفر اگر اسلام پر غالب آنے کی جدوجہد کرے تو اس کی مزاحمت کریں، اس کے خلاف جہاد کریں، اسے ردّ کریں۔ یہ اللہ کی اسکیم تھی کہ اس نے سیدنا محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو آخری رسول بنا کر بھیجا اور ان کے ہاتھوں دین کو کفر پر غالب کرایا۔ اب ہمارا یعنی امت مسلمہ کا فرض ہے کہ ہم اس حق کی گواہی دیتے رہیں، اس حق کو دنیا تک پہنچاتے رہیں، دین کی نصرت کرتے رہیں۔ اسلام پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عمل کرتے رہیں اور علائے کلمۃ اللہ کے لیے اسلام کو کفر پر غالب رکھنے کی جدوجہد کرتے رہیں تا کہ کفر کے علمبردار جو

درحقیقت طاغوت ہیں اور زمین میں فتنہ وفساد کے علم بردار ہیں، انہیں وہ 'صَاغِرُوْنَ' کی حالت میں رکھیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کفر کو علیٰ وجہ البصیرت ردّ کریں اور اس کی جگہ اسلامی اصول واقدار کو دلائیں اور اس کی الحادی تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کو غالب کریں۔

یہ صحیح ہے کہ آج ہم مغرب کی تہذیب کو ردّ کرتے ہوئے اس کا تقابلی مطالعہ یا اس کا ردّ اسلامی اصولوں سے کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کو پیش نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے کیونکہ ہم مسلمانوں کی یہ نالائقی ہے کہ آج ہماری تہذیب غالب رہنا تو درکنار موجود ہی نہیں ہے، وہ شکست کھا چکی ہے جس طرح ہم مسلمان اہل مغرب سے شکست کھا چکے ہیں۔ لیکن سرکار عالی مدار! اس کا یہ مطلب کب ہے کہ ہم مغرب کی مبنی بر کفر تہذیب پر ایمان لے آئیں، اس کے گن گانے لگیں، اس کی مدح کرنے لگیں اور اس کے مقابلے میں اسلامی اصول واقدار اور اسلامی تہذیب کے حامیوں پر طنز وتشنیع کے تیر برسانے لگیں کہ تم مغرب پر تنقید کیوں کرتے ہو؟ اسے ردّ کیوں کرتے ہو؟ اس سے اجتناب کا مشورہ کیوں دیتے ہو؟ صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ بالواسطہ طور پر، شعوری یا لاشعوری طور پر، مغرب کی مبنی بر کفر تہذیب کی حمایت کرتے ہیں اور اسلام کی قیمت پر اور اس کے مقابلے پر یہ حرکت کرتے ہیں۔ فنعوذ باللہ من ذلک۔

۳۔ موصوف کی اپروچ تضادات سے بھری ہوئی ہے۔ ایک طرف تو وہ مغرب کی مدلل مداحی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''تہذیب مغرب نے جو علم پیدا کیا ہے اس نے ایک عمل کو بھی جنم دیا ہے جو اب عالمگیر ہے اور پوری دنیا پر غالب ہے۔ یہ علم اور یہ عمل یک منہج ہیں اور انفس وآفاق میں نتیجہ خیز ہیں'' (پیرانمبر ۸)۔ انگریزی استعمار کی تعریف کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: ''استعمار کے غلبے اور استعماری جدیدیت نے مسلمانوں کو ایسے تہذیبی وسائل فراہم کیے جن کی مدد سے وہ جدید دنیا میں داخل ہوئے اور اقتدار یا خودارادیت کی جدوجہد میں شریک ہونے کے قابل بھی ہو گئے۔ مسلمانوں میں جو نیا سیاسی عمل سامنے آیا اس میں داخل افکار جدیدیت سے حاصل ہوئے تھے۔'' (پیرانمبر ۱۴)۔

پھر مغرب کے باطل ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''مغرب باطل ہے بدیہی معلوم ہے اور اس معلومیت کی بنیاد ہدایت ہے'' (پیرانمبر ۹) لیکن جب ہم جیسے لوگ الٰہی ہدایت کی بنیاد پر اس مبنی بر کفر فکر و تہذیب پر تنقید کرتے ہیں تو وہ سیخ پا ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یہ سوفسطائیت ہے، یہ مذہب دشمنی ہے (پیرانمبر ۹) ''یہ بے تجمیتی اور بے دینی ہے'' (پیرانمبر ۱۶)۔ او بھائی! مسلمانوں کے لیے حرف آخر تو الٰہی ہدایت ہی ہے۔ کیا یہ کوئی دلیل نہیں؟ کیا یہ عقلی رویہ نہیں؟

ہاں! یہ صحیح ہے کہ آپ جیسے مغرب زدہ لوگوں کے لیے، ان لوگوں کے لیے جن کی آنکھیں مغرب کی مبنی بر کفر فکر و تہذیب کی چکا چوند نے خیرہ کر رکھی ہیں، اس الحادی تہذیب کو عقلی اصولوں پر بھی ردّ کرنا چاہیے جس طرح امام غزالیؒ نے ''تہافتہ الفلاسفہ'' میں کیا اور امام ابن تیمیہؒ نے 'الردعلی المنطقیین' میں کیا۔ عصر حاضر کے مسلم اہل علم بھی اس بات سے غافل نہیں ہیں۔ علامہ اقبال، مولانا مودودی اور ڈاکٹر رفیع الدین نے یہ کام کیا ہے۔ ہم جیسے کئی لوگ عصر حاضر میں بھی، اپنی صلاحیت کے مطابق، یہ کام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ہماری اپروچ میں کوئی کمی و خامی ہے تو آپ سامنے آیئے، اس خلاء کو پُر کیجیے۔ ہم صحیح منہج سے کام نہیں کر رہے تو آپ صحیح منہج سے کام کیجیے۔ آپ غزالی و ابن تیمیہ جیسا کردار کیوں ادا نہیں کرتے؟ فارابی اور ابن رشد جیسا کردار کیوں ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟

۴۔ موصوف کے پورے مضمون میں مغرب کی الحادی فکر و تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی مدلل مداحی کے ساتھ خود مذمتی کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ فرماتے ہیں: ''اپنی تہذیب سے بے خبری اور تفہیم مغرب کی گرم جوشی دراصل ہماری گہری حالت انکار پر دلالت کرتی ہے'' (پیرانمبر ۴)۔ ''ہمارے کثیر اہل علم مسلم تاریخ کے ویسے ہی دشمن ہیں جیسے کہ استعمار، مستشرقین اور ہندوتوا والے ہیں'' (پیرانمبر ۶)۔

''اس تناظر میں [یعنی عقلی تناظر میں] اگر ہم اپنے گھر کی خبر لیں تو صورت حال اچھی نہیں ہے اور اس کی نشاندہی کرنے اور اس کے تجزیے کا کام چند در چند دشواریوں کا شکار ہے'' اور یہ کہ ''علم و عمل دونوں میں بحیثیت قوم ہم مغرب کے صارفین میں سے ہیں۔'' (پیرا

نمبر ۷)۔

''ہمارے ہاں علمیات کا تو کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا اور بے اصول اور بلا منہج تعبیر کا مطلق غلبہ قائم ہو گیا ہے۔'' (پیرا نمبر ۱۰)۔ ''ہماری گزشتہ دوسو سالہ تاریخ ایک دوسرے کی گمراہیوں کے تعین میں گزری ہے۔ یہ مکمل طور پر فرقہ وارانہ ہے اور تکفیری فکر کا سیاسی عفریت عین اسی عمل سے پیدا ہوا ہے۔'' (پیرا نمبر ۱۲)۔ ''ہمارے ہاں ایسی کوئی علمی روایت موجود نہیں ہے جو استعماری جدیدیت کے روبرو فکری اور عقلی مستجابات کو سامنے لائی ہو اور ہمارے تاریخی تجربے کی معنویت کو متعین کرنے میں کامیاب ہوئی ہو۔'' (پیرا نمبر ۱۵)

اس کے ساتھ ہی عقلی تاویلات اور لفاظی کی مدد سے مغرب کی باطل فکر اور مبنی بر کفر تہذیب پر، ہم جیسے تنقید کرنے والوں کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا سارے مضمون میں زوروں پر نظر آتا ہے۔ پیراگراف ۱۰ میں کہتے ہیں کہ یہ رویہ تکفیری ہے اور اس کا رخ ''مسلم معاشروں کی بیخ کنی تک محدود ہے''۔ اور یہ کہ ''تفہیم مغرب کا پورا منصوبہ کوئی علمیاتی اساس نہیں رکھتا۔''

پیرا نمبر ۱۴ میں کہتے ہیں: ''جدیدیت کی داخلی تنقید کے یہ دھارے جن بنیادی مسلمات پر قائم ہیں اور جو علمی نتائج پیدا کرتے ہیں وہ ہر جہت سے ضدِ دین ہیں اور وہ ایسے علم کو سامنے نہیں لاتے جو موید دین ہو اور ہمارے عمل کی اساس بن سکے۔''

پیرا نمبر ۱۵ میں کہتے ہیں کہ ''تفہیم مغرب اکبر الہ آبادی اور اقبال کے بارے میں تقریباً وہی موقف رکھتی ہے جو ہماری جعلی فکر اسلامی میں رائج چلا آرہا ہے۔ تفہیم مغرب کا منصوبہ اکبر اور اقبال کو مکمل نظر انداز کر کے ہمیں ان خانہ زاد تہذیبی مسائل سے بھی محروم کر دینا چاہتا ہے جو تاریخ میں نتیجہ خیز ثابت ہوئے ہیں۔''

پیرا نمبر ۱۶ میں کہتے ہیں ''اگر مغرب اور جدیدیت باطل ہے تو اس کے روبرو گمراہ اور حرام ہونے کی ججمنٹ دے کر اس سے مجتنب رہنے کا حکم دینا یا اس کا راستہ بنانا اور جدیدیت سے فرار کے معدوم راستے تلاش کرنا بے حمیتی اور بے دینی نہیں ہے تو کیا ہے؟

مغرب کی مداحی اور خود مذمتی کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اس طرح بالواسطہ

مسلمانوں کو یہ پیغام دیا جار ہا ہے کہ مغرب کی فکری و عملی غلامی پر قانع رہو، تم یہ رسیاں نہیں تڑا سکتے، اسی غلامی میں تمہاری راحت ہے۔ اور جو لوگ تفہیم مغرب کے عنوان سے مغرب کی الحادی فکر وتہذیب پر تنقید کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو اسے ردّ کرنے اور اسلامی اصول واقدار کی طرف لوٹنے اور اسلامی تہذیب کے احیاء کی دعوت دے رہے ہیں، ان کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا[1] کرنے کا مقصد اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی باتوں کو بے وزن ٹھہرایا جائے اور لوگوں کو ان سے متنفر کرنے کی کوشش کی جائے تا کہ وہ ان کی بات نہ سنیں۔

لیکن ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے مغرب اور اس کی الحادی فکر وتہذیب کو ردّ کرنے کا فیصلہ خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ ہم کفر پر مبنی اس تہذیب کا اور اس کے علمبرداروں کا حقیقی، مکروہ، سازشی اور اسلام و مسلم دشمن چہرہ مسلمانوں کو دکھاتے رہیں گے، ان شاء اللہ، اور انہیں مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کو ردّ کرنے اور اسامی اصول واقدار کی طرف پلٹنے اور اسلامی تہذیب کے احیاء کی دعوت دیتے رہیں گے، خواہ اس سے متجددین کے سینوں پر سانپ لوٹتے رہیں کہ خود اللہ کی کتاب نے ان کا پول کھول دیا ہے۔

﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۚ...... قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾

''تمہیں تکلیف پہنچے ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں .... کہہ دو کہ (بدبختو) غصے میں مر جاؤ، خدا تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔'' (آل عمران ۳:۱۱۸، ۱۱۹)

---

[1] ہم ذمہ دار فرد ہیں اور سوقیانہ اور مناظرانہ زبان کے عادی نہیں اور کسی کی طرف جھوٹ کی نسبت بہت بڑی بات ہے۔ اس لیے ہم وضاحت کی خاطر عرض کرتے ہیں کہ جناب محمد دین جوہر صاحب نے اپنے اس مضمون میں مغرب پر تنقید کرنے والے ہمارے احباب پر بے حمیتی اور بے دینی کا الزام لگایا ہے اور ان کے رویے کو تکفیری، مسلم معاشروں کی بیخ کنی کرنے والا، پاکستان اور اقبال مخالف اور ضد دین قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے یہ ساری باتیں جھوٹ اور الزام تراشی پر مبنی ہیں، یہ محض فکری اختلاف نہیں ہے۔

افغانستان ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

افغانستان میں معاشی استحکام

امارت اسلامیہ افغانستان قیمتوں کو مستحکم کرنے میں کامیاب رہی ہے

افغانستان کی معاشی صورتِ حال پاکستان سے کہیں بہتر ہے

اسلامی انقلابیوں کو مبارک ہو۔ امارت اسلامیہ معاشی استحکام اور ترقی کی راہ پر قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی ہے۔ معاشی بدحالی کی جو بھیانک تصویر سامراج افغانستان کی مستقل پیش کر رہا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے۔ موسم سرما کی آمد کے باوجود افغانستان میں نہ قحط سالی ہے، نہ بے روزگاری عام ہے، نہ کوئی معاشی شعبہ افراطِ زر (inflation) کا شکار ہے۔

ذیل میں ان اعداد وشمار کی بنیاد پر جو حکومت افغانستان نے حال ہی میں جاری کیے ہیں، ہم افغان معاشی حالت کا تجزیہ پیش کریں گے۔ یہ اعداد وشمار 2020ء، 2021ء اور 2022ء کے موازنہ پر مرتب کیے گئے ہیں:

ا۔ افغان معیشت کی ساخت

جدول اول میں افغان پیداواری نظام کی شعبہ جاتی ساخت کو پیش کیا گیا ہے۔

جدول 1: مجموعی پیداوار میں شعبہ کا حصہ (فی صد)

	2020ء	2021ء
زراعت	52.22	85.33
صنعت	68.7	05.9
اندرونی تجارت	16.7	25.8
مواصلات	14.6	34.6

تعمیرات اور اراضی	05.6	29.7
دیگر خدمات	06.19	28.10
درآمدی محصولات	42.4	40.4

Source: Ministry of Planning, Govt. of the Islamic Emirate of Afghanistan

یہ شعبے 2020ء اور 2021ء میں افغانستان کی مجموعی پیداوار اور اخراجات (Gross Production and Expenditure) کا تقریباً 80 فیصد حصہ فراہم کرتے ہیں۔ 2021 میں زرعی شعبہ نے نمایاں ترقی کی ہے اور مجموعی پیداوار میں اس کا حجم 28 فیصد سے بڑھ کر تقریباً 5.33 فیصد ہو گیا ہے۔ صنعتی شعبہ میں سب سے تیز رفتار ترقی بجلی اور گیس کی پیداوار میں ہوئی جس کی شرح نمو 2021ء میں 16 فیصد ہو گئی۔ 2020ء میں بجلی اور گیس کی پیداوار 5.3 فیصد گری تھی۔ اس کے علاوہ کانکنی، فضائی صنعت اور تعمیرات کے شعبوں میں بھی 2021ء میں پیداواری سطح مستحکم رہی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ 2021ء میں امارت اسلامیہ کی حکومت نے غذائی قلت پر قابو پا لیا۔ 2022ء میں افغانستان کے حالات مزید بہتر ہو گئے اور توقع ہے کہ سال رواں (2023ء) میں افغان پیداواری شعبوں کی پیداواری نمو نمایاں طور پر مثبت ہو جائے گی۔

قیمتوں اور افراطِ زر میں استحکام

پیداواری نظاماتی استحکام کا اہم ترین اظہار قیمتوں کی سطح پر استحکام سے ہوتا ہے۔ اس کا سب سے واضح ثبوت افغان قومی زر (افغانی) کی بین الاقوامی شرح تبادلہ (rate of exchange) میں کمی کے رجحان سے ہوتا ہے۔ جنوری 2021ء میں یہ شرح تبادلہ 180 افغانی پر ایک امریکی ڈالر تھا۔ سال کے آخر تک یہ شرح تبادلہ گر کر 152 افغانی پر ایک ڈالر ہو گئی۔ یعنی افغانی زر کی قیمت میں امریکی ڈالر کے مقابلہ میں تقریباً 16 فیصد کا اضافہ ہوا۔ آج پاکستانی روپیہ کی قیمت فی ڈالر 283 اور مستقل رو بہ تنزل ہے۔ ایرانی تومان، ہندوستانی

روپیہ اور بنگلہ دیشی ٹکہ وغیرہ مستقل گر رہے ہیں اور پوری دنیا (بشمول سامراجی ممالک) افراطِ زر کا شکار ہے۔ ان حالات میں افغانی کے شرح تبادلہ میں استحکام اسلامی حکومت کا بفضلِ خدا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جدول 2 میں 2022ء میں مجموعی اور شعبہ جاتی قیمتوں کے اشاریہ کے تغیر کے رجحان کو پیش کیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی اشاریہ CPI میں 2022ء میں اضافہ صرف 1.5 فیصد اور خوردنی اشیا میں صرف 2.3 فیصد رہا۔ غیر خوردنی افراطِ زر کی شرح اضافہ صرف 9.4 فیصد رہی۔ خوردنی تیل، مکانوں کے کرایہ اور ہوٹل اخراجات کا نسبتی اشاریہ نمایاں طور پر منفی رہا۔ اور دودھ، پنیر، انڈوں، پھلوں، مشروبات، کپڑے اور تعلیم کی قیمتیں منجمد اور مستحکم رہیں۔

جدول 2: افغانستان میں 2022ء میں صَرفی قیمتی اشاریہ (CPI) میں تغیر (فیصد)

شعبہ	سالانہ اشاریاتی تغیر
مجموعی اشاریہ	1.5
اشیائے خورد و نوش	2.5
اجناس	7.6
دودھ، پنیر اور انڈے	2.3
خوردنی تیل	3.13
پھل	9.0
سبزی	7.12
شکر	1.7
مصالحہ جات	1.9
مشروبات	6.0

غیر خوردونوش اشیاء	9.4
تمباکو	3.2
کپڑا	5.3
مکان کرایہ	9.1
گھریلو سامان	5.7
صنعتی صَرف	1.5
مواصلات	2.25
برقی مواصلات	4.4
تعلیم	3.0
ہوٹلنگ کا خرچہ	3.0
دیگر اشیا	4.15

یہ اعداد وشمار جنوری 2022ء سے ستمبر 2022ء کے موازنہ پر مرتب کیے گئے ہیں۔

Source: Ministry of Planning, Govt. of the Islamic Emirate of Afghanistan

ان اعداد وشمار سے واضح ہوتا ہے کہ 2022ء میں امارت اسلامیہ میں قیمتوں میں اضافہ نہایت معمولی رہا ہے جو اپنے ہمسایہ ملکوں سے بدرجہا کم ہے۔ امریکا اور یورپ کے بیش تر ممالک میں CPI کی شرح میں اس سے زیادہ اضافہ ہوا ہے ۔صرف آمدورفت کے کرایہ میں اضافہ کی شرح 10 فیصد سے تجاوز کر گئی ہے۔ باقی تمام اشیا کی قیمتیں وہی رہی ہیں اور ایک مستحکم معیشت کا اظہار کرتی ہیں۔

جدول 3 میں صوبہ وار 2022ء کے قیمتوں کے اشاریہ جات (Provincial CPI) پیش کیے جاتے ہیں۔

جدول3: Provincial CPI میں تغیر۔افغانستانی صوبے 2022ء

صوبہ	مجموعی اشاریہ تبدیلی	خوردنی اشاریہ میں تبدیلی	غیرخوردنی اشاریہ میں تبدیلی
کابل	9.5	5.6	6.5
پکتیکا	7.1	6.2	1.0
باذران	8.4	2.4	4.4
ننگرہار	1.11	6.15	3.2
بغلان	0.1	5.0-	0.4
بامیان	5.5	7.6	1.4
غزنی	0.1	6.1	2.0
پکتیا	6.0-	2.0-	0.1
خوست	3.2	3.3	6.0
بدخشاں	6.6	4.11	3.1
تخار	6.1	8.1-	2.8
قندوز	0.5	2.3	1.7
بلخ	0.8	0.9	7.6
سارپل	4.0	8.0	2.1
قندھار	3.6	6.0	4.4
جورجان	4.2	3.4	0.0
فریاب	0.3	1.3	1.3
لشکرگاہ	6.8	1.12	2.5
ہرات	3.7	4.6	0.8
غور	6.2	6.7-	6.5

یہ اعداد و شمار جنوری 2022ء سے ستمبر 2022ء کے اشاریہ کے موازنہ پر مرتب کیے گئے ہیں۔

Source: Ministry of Planning, Government of the Islamic Emirate of Afghanistan

جدول 3 میں دیے گئے اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ صوبائی طور پر قیمتوں کے تغیر کے رجحان متوازن ہیں۔ بیس میں سے 13 صوبوں میں قیمتوں کے اشاریہ کے اضافہ کی شرح قومی (National CPI) کی 2022ء کی شرح سے کم ہے۔ گیارہ صوبوں کی خوردنی قیمتوں کے اشاریہ کے اضافہ کی شرح قومی خوردنی قیمتوں کی شرح اضافہ سے کم ہے۔ 14 صوبوں کی غیر خوردنی اشاریہ کی شرح اضافہ قومی غیر خوردنی شرح اضافہ سے کم ہے۔ صرف ایک صوبہ ننگر ہار میں مجموعی شرح افراطِ زر کا اضافہ دس فیصد سے تجاوز کر گیا ہے اور صرف تین صوبوں (ننگر ہار، بدخشاں اور لشکر گاہ) میں خوردنی افراطِ زر کا اشاریہ 2023ء میں دس فیصد سے تجاوز کر گیا ہے۔ 12 صوبوں میں غیر خوردنی افراطِ زر کی شرح اضافہ 2020ء کی قومی غیر خوردنی افراطِ زر کے اشاریہ سے کم رہی ہے اور صرف ننگر ہار میں غیر خوردنی افراطِ زر کا اضافہ دس فیصد سے تجاوز کر گیا ہے۔ تینوں صوبہ جاتی افراطِ زر اشاریوں کی شرح اضافہ کا Standard Deviation نہایت کم ہے اور Standard Deviation/Mean کا تناسب بھی محدود ہے۔

قیمتوں کی اضافاتی شرح کا یہ تقسیمی استحکام اس بات کو واضح کرتا ہے کہ الحمدللہ کوئی صوبہ بھی غذائی قلت، فاقہ کشی یا مفلوک الحالی کا شکار نہیں اور اس ضمن میں سامراجی ادارے جو پراپیگنڈا کر رہے ہیں وہ سراسر جھوٹ اور بے بنیاد دروغ گوئی پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے صوبوں کے درمیان ترسیل اشیا (بالخصوص خوردنی اشیا) کا مناسب انتظام کر دیا ہے اور قیمتوں صوبائی تقسیمی استحکام کا یہی سبب ہے۔

جدول4: ستمبر 2022ء میں اشیائی قیمتیں (اوسطاً)

شے	یونٹ	کابل		قندھار	
		افغانی	روپیہ	افغانی	روپیہ
چاول	فی کلو	6.82	3.107	735	704
آٹا	فی کلو	9.52	7.68	49	87
گائے کا گوشت	فی کلو	1.349	8.453	400	520
دنبے کا گوشت	فی کلو	6.440	6.580	450	585
مرغی	فی کلو	5.252	2.328	210	273
دودھ	دوسوملی لٹر	25	5.32	25	5.32
دہی	فی کلو	8.54	2.71	35	5.45
انڈے	عدد	4.13	4.17	11	3.14
خوردنی تیل	فی کلو	9.143	187	120	156
پیاز	فی کلو	8.33	9.43	30	39
آلو	فی کلو	30	39	30	39
شکر	فی کلو	1.65	6.84	63	82
چائے	فی کلو	7.335	1.436	330	429
کپاس سے بنا کپڑا	فی میٹر	5.113	5.147	100	130
سیمنٹ	بیگ	3.407	4.52	330	429
سیال گیس	فی کلو	3.69	0.90	71	3.92
کپاس	فی کلو	5.281	9.365	85	5.110
ڈاکٹر کی فیس	ایک بار	300	390	200	260
پٹرول	فی لٹر	5.83	5.61	79	102
ڈیزل	فی لٹر	2.102	8.132	97	1.126

Source: Ministry of Planning, Government of Emirate Islamia of Afghanistan

جدول 4 میں کابل اور قندھار میں اشیائے صرف اور خدمتوں کی اوسط قیمت دی گئی ہے۔اس جدول میں قیمتوں کوافغانی اور پاکستانی روپیہ میں پیش کیا گیا ہے۔ستمبر 2022ء میں ایک افغانی ایک اعشاریہ تین روپیہ کے برابر تھا۔اس جدول سے ثابت ہوتا ہے کہ افغانستان میں اشیائے صرف اور خدمات کی قیمتیں ہمسایہ ممالک کے مقابلہ میں (بالخصوص ایران اور پاکستان کے لحاظ سے) معقول ہیں۔کابل اسلام آباد اور تہران سے اور قندھار پشاور اور اصفہان کے مقابلہ میں سستے شہر ہیں۔ایران اور پاکستان شدید افراطِ زر رجحان کا شکار ہیں جب کہ امارت اسلامیہ میں افراطِ زر کی شرح 2021ء سے آج تک روبہ زوال ہے اور پڑوسی ممالک (نہ صرف ایران اور پاکستان بلکہ ازبکستان، تاجکستان وغیرہ) کے مقابلہ میں بھی کم ہے۔دیہی افغانستان اور چھوٹے شہروں میں کابل کے مقابلہ میں قیمتیں کافی کم ہیں۔

یہ بات اجناس کے بارے میں خصوصاً درست ہے۔مثلاً قندھار میں ایک کلو چاول کی قیمت 35 افغانی ہے جب کہ کابل میں ایک کلو چاول کی قیمت 83 افغانی ہے۔قندھار میں ایک کلو آٹے کی قیمت کابل کی آٹے کی قیمت سے بھی کم ہے۔

ملک میں قیمتوں پر کنٹرول قائم کرنا اسلامی حکومت کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عسکری جدوجہد کے دوران جو عوامی ادارتی صف بندی قائم کی گئی تھی وہ الحمدللہ قائم اور کارفرما ہے اور وہ معاشی اور بازاری نظام کو مستحکم اور منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کررہی ہے۔اس معاشی ادارتی صف بندی کو زیادہ بااختیار بنانے اور عوامی سطح پر وسعت دینے کی ضرورت ہے۔سامراج کی جستجو ہے کہ عوامی ادارتی صف بندی کو منتشر کر کے افغان معیشت کو عالمی حرام خور مارکیٹ نظام میں ضم کرلے۔سامراج اپنی اس مذموم کوشش میں ہنوز ناکام ہورہا ہے اور افغان عوام کی انقلابی ادارتی صف بندی مخلصین دین کی قیادت میں ایک ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن رہی ہے جو سامراج کے لیے ناقابل تسخیر ثابت ہورہی ہے۔

جوانو! قابلِ تقلید ہے اقدام طالب کا
جبینِ لوحِ غیرت پر لکھا ہے نام طالب کا

تفہیم دین　　مدیر

ترکیہ اور شام میں شدید زلزلے سے جان و مال کا بے پناہ نقصان

زلزلے کیوں آتے ہیں؟

انفرادی و اجتماعی توبہ اور رجوع الی اللہ کی ضرورت

زلزلے کیوں آتے ہیں؟ سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ زلزلے کیسے آتے ہیں؟ زمین کی پلیٹیں ہِل جاتی ہیں! لیکن سائنس ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ پلیٹیں کیوں ہِل جاتی ہیں؟ کسی خاص علاقے میں کیوں ہلتی ہیں؟ اور کسی خاص وقت پر کیوں ہلتی ہیں؟

دوسری طرف قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر ایک پتّہ بھی نہیں ہِل سکتا۔ اگرچہ اس کا نظام یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ان کے اعمال کا حساب آخرت میں لے گا لیکن بعض گناہوں کی سزا، وہ بعض اوقات، بطور عبرت اور تنبیہ دنیا میں بھی دیتا ہے تاکہ لوگ سنبھل جائیں اور معصیت سے باز آجائیں۔

ہمارے رہنما اور آقا حضرت محمد ﷺ کا طرزِ عمل اس طرح کے معاملات میں یہ تھا کہ وہ ایسے وقت میں اللہ کی طرف رجوع کا حکم دیتے تھے کہ لوگ اللہ کے حضور جھک جائیں، اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، اس کی عبادت و اطاعت کا عہد کریں اور اس کی نافرمانی سے باز آجائیں۔

لہٰذا ہمیں جہاں ترکیہ اور شام کے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے۔ اس مشکل وقت میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ جان و مال کے ضیاع میں ان سے ہمدردی کرنی چاہیے وہیں ہمیں انفرادی اور اجتماعی توبہ کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ کی معصیت سے باز آنے کا عہد کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اپنے اعمال درست کر لینے چاہئیں۔ ہمارے حکمرانوں کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر وہ اس طرف متوجہ نہیں ہوتے تو ہماری دینی قیادت کا کام ہے کہ وہ لوگوں کو اس طرف متوجہ کرے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا یہی ہے تاکہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے، ہمارے گناہوں کی پاداش میں ہمیں نہ پکڑے بلکہ معاف فرمادے۔ لیکن ہمیں معاف تو وہ تبھی کرے گا جب ہم اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں گے۔ اے اللہ! ہمیں معاف فرمادے۔ معصیت سے باز آنے کی توفیق عطا فرما اور ہمارا رُخ اپنی عبادت و اطاعت کی طرف موڑ دے۔

تزکیۂ نفس　　ادارہ

نماز کا ایک انوکھا اور حیران کن پہلو

مَیں تلاوت کر رہا تھا تو سورہ المعارج کی ایک آیت پر آ کر رک سا گیا۔ بات انسان کی تخلیق کے بارے میں تھی کہ انسان اصلاً کیسا پیدا کیا گیا ہے۔ آیت یہ تھی: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا﴾[المعارج ۷۰:۱۹] حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے۔ مَیں نے انگریزی ترجمہ دیکھا، تو "هَلُوْعًا" کا مطلب Anguish لکھا تھا۔ اب اینگوئش کا مطلب اردو میں سمجھوں تو یہی لگتا ہے کہ ایسا انسان جس میں بے چینی، تشویش یا بے صبری سی ہو۔ بہرحال میں نے "کم ہمت" پر ہی اکتفا کر لیا اور اسے بے صبری کے معنوں میں لے لیا۔

اگلی آیت کچھ اور بھی معنی خیز تھی: ﴿اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا﴾ یعنی جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بہت گھبرا جاتا ہے۔ "جَزُوْعًا" کا لفظ تو مجھے سمجھ آ گیا۔ انگریزی میں ترجمہ بھی قریب قریب ہی تھا یعنی Impatient مطلب بے چین۔ تکلیف پہنچے تو انسان چاہتا ہے یہ جلدی سے رفع ہو جائے، بس ختم ہو جائے کسی طرح۔

﴿وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ اور جب اس کے پاس خوشحالی آتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔ "مَنُوْعًا" یعنی کنجوس۔ جب اسے کوئی نعمت ملتی ہے، تو اس کا دل چاہتا ہے بس اس کے پاس ہی رہے وہ نعمت، کسی اور کو نہ مل جائے۔

جو رلا دینے والی آیت تھی، وہ بعد میں آئی: ﴿اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ﴾ مگر نمازی ایسے نہیں ہیں۔ یعنی نماز پڑھنے والے لوگوں کے علاوہ انسان کی حالت اسی طرح کی ہے۔ گویا انسان کی یہ پیدائشی حالت صرف اس صورت میں بدل سکتی ہے، جب وہ نماز قائم کر لیتا ہے۔

مجھے ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوئی یہ سوچ کر کہ مَیں پہلی تین آیات پڑھ کر حیران ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہی بنائے ہوئے انسان کی کمیاں اور خامیاں گنوا رہا ہے۔ لیکن ﴿اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ﴾ پڑھا تو دل مطمئن سا ہو گیا کہ ان کمیوں اور خامیوں کو پورا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے راستہ رکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ ''هَلُوْعًا''، ''جَزُوْعًا'' اور ''مَنُوْعًا'' کی دلی اور جذباتی حالتوں سے نکل سکتا ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۲۱)

تبصرۂ کتب پروفیسر سعدیہ قریشی

پسِ قانون: پاکستانی قانون پر برطانوی نوآبادیاتی اثرات

از آصف محمود

پاکستان کا قانونی ڈھانچہ ابھی تک برطانیہ کے استعماری دور کے قوانین پر مشتمل ہے۔
اسلامی اور پاکستانی تناظر میں اس کی تدوینِ نو وقت کی اہم اور شدید ترین ضرورت ہے

ہوسکتا ہے آصف محمود کی یہ کتاب پڑھنے کے بعد میری طرح آپ پر بھی رائیگانی اور پچھتاوے کے کئی موسم بیت جائیں۔ باب چہارم ''پولیس پاکستان کی یا ملکہ وکٹوریہ کی؟'' پڑھتے ہوئے مجھے سادہ لوح بے بے جی یاد آئیں جنہوں نے ایک دورافتادہ گاؤں میں زندگی گزاری۔ وہ پولیس کی وردی میں کسی کو دور سے دیکھ کر ہی خوفزدہ ہوجاتی تھیں۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ پولیس سے واسطہ پڑنا ایک عام آدمی کے لیے آج بھی ڈراؤنا خواب کیوں ہے؟ کیوں یہاں کے فوک وزڈم محاوروں اور گیتوں میں تھانے کچہری سے پناہ مانگی گئی ہے حالانکہ یہ تو عوامی مسائل کو حل کرنے کے ادارے ہیں؟

اس کتاب کے ایک ایک صفحے پر آپ کو آنکھیں کھول دینے والے وہ تاریخی حقائق ملیں گے جو لائبریریاں چھاننے کے بعد ہاتھ آتے ہیں۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ پاکستان کی بیوروکریسی کے دیسی جنٹل مینوں کے احساسِ برتری پر مبنی بیمار رویوں کے پیچھے کارفرما نفسیات جان جائیں گے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد جب آپ کسی پنج ستارہ ہوٹلوں کے گیٹ کیپر کو اونچا شملہ پہنے دروازہ کھولتے دیکھیں گے تو آپ کو احساسِ کمتری کی ماری اپنی قوم پر شرمندگی ہوگی۔ جناح کیپ والا بیرا آپ کے سامنے چائے پانی لا کے رکھے گا تو آپ کو اپنے آپ سے شرم آئے گی۔ کتاب کو پڑھ کے آپ جان جائیں گے کہ جون جولائی کی گرمی میں چھوٹے چھوٹے قصباتی شہروں کی کچہریوں میں بھی وکیل بھائی کالے رنگ کا کوٹ پینٹ پہنے بند گلوں میں ٹائیاں لٹکائے ایک مسلسل عذاب میں کیوں دکھائی دیتے ہیں؟ کیوں ان کا لباس آج تک موسم کی شدت سے ہم آہنگ نہ ہوسکا؟

آصف محمود کی تازہ تصنیف ''پسِ قانون: پاکستانی قانون پر برطانوی نوآبادیاتی اثرات''، پڑھ کے آپ کے سامنے ایک آئینہ خانہ کھل جائے گا جس میں آپ اپنی حکومتوں اور سرکاری انتظامیہ کی عام شہری مخالف وارداتوں کا پس منظر جان سکیں گے۔ سماج کے اجتماعی اور انفرادی احساس کمتری کے پیچھے تحریر غلامی کی داستان پڑھ سکیں گے کہ پاکستان کی آزادی کے 75 سال کے بعد بھی ہماری حیثیت ان ذہنی غلاموں کی سی کیوں ہے جو فکری طور پر کبھی بڑے نہیں ہوتے؟ کیوں ہم اپنی شناخت پر شرمندہ ہیں اور اپنے تہذیبی اثاثوں کو اپنانے سے گھبراتے ہیں؟ جو نظام ہمارے ہاں نافذ ہے وہ برطانوی نوآبادیاتی نظام سے اخذ کیا گیا ہے۔ قانون آزادی ہند 1947ء کے تحت جن قوانین کو ہم پر مسلط کیا گیا ہم آج تک ان سے سے چھٹکارا نہیں پا سکے۔ ہمارے ملک کے ہزاروں قوانین انگریزوں کے وضع کیے ہوئے ہیں۔ ایک آزاد ملک میں غلام قوم کے لیے بنائے جانے والے قوانین ان کی آزادی کی توہین ہے۔

انگریز جب برصغیر پر حکمران ہوا تو اس نے ایسا نظام بنایا جس میں برصغیر کے مقامی شخص کو احساس دلایا گیا کہ تم حکمران جماعت سے کمتر ہو۔ یہ نظام شہریوں کے لیے نہیں تھا بلکہ غلاموں اور رعایا کے لیے تھا۔ اس نوآبادیاتی نظام کی بنیادی خامی یہی ہے کہ یہ انسان کو شہری نہیں غلام سمجھتا ہے۔ یہ وہ نوآبادیاتی ورثہ ہے جو آزاد ہوتے ہوئے بھی ہم نے اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔ پاکستانی بیوروکریسی کی اکیڈمیاں یہاں آج بھی دیسی گورا صاحب پیدا کرتی ہیں۔ سی ایس ایس کرنے والوں کے دماغوں میں احساسِ برتری کا خناس ڈال کر انہیں اپنے ہی ہم وطنوں پر آقا مسلط کیا جاتا ہے۔ اس واردات کو 'سول سروس' اور 'سول سرونٹ' کی اصطلاحات کا نام دینا مضحکہ خیزی ہے۔ برصغیر کی سیاسی، قانونی اور ریاستی تاریخ برطانوی نوآبادیاتی دور سے شروع نہیں ہوتی۔ اگر اٹھارویں صدی میں کل دنیا کی صنعتی پیداوار کا 25 فیصد مغل سلطنت پیدا کر رہی تھی تو یہ کارنامہ بغیر ایک منظم معاشرتی، سیاسی اور سماجی نظام کے ممکن نہیں تھا۔ مسلمانوں کی ایک تہذیب اور تاریخ تھی۔ سامراجی بندوبست کے تحت ہمیں اس تہذیب پر شرمندہ ہونا سکھایا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب پڑھ کر آپ کے اندر ضمیر کی خلش یہ

سوال ضرور اٹھائے کہ ۔

کیوں دائروں میں ہم نے بسر کی تمام عمر
یہ کس کا عہد تھا جو نبھانا پڑا مجھے

قانون کے اکابرین کہتے ہیں کہ آصف محمود نے اس کتاب میں ہمارے نظامِ قانون کے نقائص اور ناکامی کو نوآبادیاتی فکر کے تناظر میں پہلی بار موضوع بحث بنایا ہے۔اس کتاب کے سات ابواب ہیں جن میں مدلل اور مؤثر انداز میں بیان کئے گئے تاریخی حقائق اہلِ دل کو جھنجھوڑ کے رکھ دیتے ہیں۔کتاب کے آخری باب یہ''احساسِ کمتری کب تک؟''میں مصنف لکھتے ہیں:''اس نفسیاتی گرہ کو کھولنا ہوگا۔یہ بات شعوری طور پر سمجھنا ہوگی کہ ہم اب سلطنت برطانیہ کے نوکر نہیں ایک آزاد ملک کے شہری ہیں۔ہماری تہذیب اور ثقافت سے وابستہ قدریں ہمارے لئے باعث شرم نہیں۔ہمیں اب English Etiquettes for Indian Gentlemen سے تہذیب کشید کرنے کی ضرورت نہیں۔''

آصف محمود نے پاکستانی قانون پر برطانوی نوآبادیاتی اثرات کا بڑے عمیق انداز میں جائزہ لیا ہے۔اس کتاب کے مرتب کرنے میں ان کی تحقیق اور محنت کتاب کی ہر سطر میں نظر آتی ہے۔فاضل مصنف نے''پسِ قانون'' لکھ کر تہذیبی اور نفسیاتی گرہوں میں الجھی ہوئی قوم کو نوآبادیاتی نظام کے اثرات سے ہماری نسلوں تک پہنچنے والی بدترین احساس کمتری کی بدبو سے آشنا کر دیا ہے جو ہجوم کو صحیح معنوں میں قوم نہیں بننے دے رہی۔

اس اہم کام کے لیے آصف محمود کا شکریہ ہم سب پر واجب ہے۔شکریہ کی عملی شکل یہ ہے کہ آپ اس کتاب کو پڑھیں، اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے دیں اور اس کے مندرجات کو گفتگو کا حصہ بنائیں۔ہمیں اس سوچ کو تحریک بنانے کی ضرورت ہے کہ ایک آزاد ملک میں غلاموں کے لیے بنائے گئے قوانین کی کوئی گنجائش نہیں۔غلامی کی یہ بساط اب لپیٹ دی جانی چاہیے۔(92نیوز)

بزم قارئین ادارہ

البرہان کے نام

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری (کراچی)

۱۔ تازہ البرہان میں اوریا مقبول جان صاحب کا جو مضمون مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بارے میں چھپا ہے وہ بےضرورت اور درشت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمعیت علماء (ہند اور پاکستان) دونوں دفاعِ دین کی تحریکیں ہیں۔ ان سے اقدامی عمل کی توقع رکھنا غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج کوئی بھی پاکستانی جماعت یا گروہ غلبۂ دین کے لیے کچھ نہیں کر رہا لیکن دفاع دین کی ہر کاوش غلبۂ دین کے کام کی پشتیبان بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کے خلاف پروپیگنڈا سامراج کی تحفظ دین کی جدوجہد کو کمزور کرنے کی کوشش ہے۔ ہمیں اس مذموم کوشش میں سامراج کی زبان نہیں بولنی چاہیے۔ میری گزارش ہے کہ البرہان میں اس نوعیت کے مضامین نہ شائع کیے جائیں۔

۲۔ میری دوسری تجویز یہ ہے کہ البرہان افغانستان پر ایک خصوصی نمبر شائع کرے جس میں مندرجہ ذیل مواد شامل ہو:

* البرہان میں افغانستان کے متعلق تمام مضامین * حکومت افغانستان کی پالیسی سازی کے متعلق پریس ریلیز زاور اعلانات * افغان وزراء سے انٹرویو بذریعہ انٹرنیٹ * حنا ربانی (نائب وزیر خارجہ) سے انٹرویو کا موضوع پاک افغان تجارت کا فروغ اور ان کے دورۂ افغانستان کی رپورٹ ہو * پاکستانی اسلامی جماعتوں کی افغان پالیسی پر ایک سوال نامہ مرتب کیا جائے اور ان کے جوابات شائع کیے جائیں۔ * اس میں جید دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ علماء کے تاثرات بھی شامل کیے جاسکتے ہیں اور ملی مجلس شرعی کے اعلانات اور تعارف بھی۔

Dr. Javead Akber Ansari

The Truth about Feminism

The imperialist attack against Islam is many faceted and one of its main targets are Muslim women. Imperialist governments and imperialist agencies – UNDP, USAID and internationally funded local NGOs – are agitating in Muslim countries, such as Iran, Afghanistan and Pakistan to induce Muslim women to revolt against Islam.

The revolt against Islam is being organized by Feminist groups. The Feminist attack on religion began centuries ago and its first targets were the holy nuns of the Christian Church. Having almost destroyed the Christian social lifeworld, feminism is attacking other religions – not only Islam but also Hinduism and Judaism.

Islamic social order depends crucially upon women. That is why the Muslim community is known as the Ummah. The word is derived from Um – Mother. The wives of the Prophet (ﷺ) are the mothers of all Muslims. The first person to accept Islam and comfort the Prophet(ﷺ) was Syeda Khadija(RA). The first *shaheed* was Hazrat Sumayya. Even today the first person to invite a child to Islam is often his or her mother.

If a Muslim woman is corrupted – and the purpose of feminism is to corrupt Muslim women – Islamic social order will certainly be destroyed.

تم قوم کی ماں ہو سوچو ذرا
عورت سے ہمیں یہ کہنا ہے
اسلام تمہاری دولت ہے
اولاد تمہارا گہنا ہے

It is therefore essential for every Muslim woman to understand the threat posed by Feminism.

The Feminist Movement

The modern Feminist movement has its origins in the late nineteenth century. The first concern of this movement was the obtaining of voting rights for women in Europe and America. The movement gained impetus during the First World War (1914-18) when millions of women in Europe had to seek employment as their husbands, fathers and sons were on the battlefield.

The first state to officially recognize the demands of the Feminist movement was the Soviet Union where the communists came to power in 1917. The USSR was declared to be "a laboratory for women's emancipation" by Lenin. Alexandra Kollotai was appointed as the Union Minister (commissioner) for social welfare. The ministry of social welfare instituted measures for female liberation and gender equality and the promotion of "free love". Attempts were made to abolish the Christian family. Homosexuality was legalized for the first time in modern history. The Communist Party (the Bolsheviks) established an office of women's affairs (the Zhenodel). The Red Army (which fought the Civil War during 1918-21) encouraged women soldiers to adopt masculine behavior patterns. Leading communist Feminists included Lenin's whore Inessa Armand and Angelica Balabanoff. The institution of motherhood was degraded and ridiculed. Inspired by the Communist initiatives many Feminist leaders appeared in Europe and America during the inter war period (1919-1045) – Heneritte Roland Hurst in

Netherlands, Sylvia Pankhurst in Britain, Claude Cahun in France etc. Many of them were lesbian and transsexuals. The Feminist movement was strengthened during the period of the Second World War especially in America but its real take off occurred during the late 1960s and 1970s when sexual liberation took the form of a mass movement and obscenity, pornography and vulgarity utterly destroyed Christian morality throughout European and American societies.

Having conquered Europe and America, feminism has become a willing imperialist tool. It is destroying Indian, East Asian and Latin American societies through their penetration by imperialist media, imperialist finance and other forms of imperialist "soft power". Today only Islam has the moral authority and sociopolitical power to confront and defeat feminism.

Feminist Ideology

Feminism is a capitalist onslaught on religion. Through Feminist initiatives capitalism seeks to commodify women's labor, women's bodies and women's spirit.

Commodification is the capitalist method for converting an object (labor, matter) into a source for the purpose of generating surplus. For over five thousand years (until the beginning of the twentieth century) women's labor was mainly outside the circuit of capital – in the main women labored but they did not labor to produce surplus value. According to 2019 estimates about a billion women have become capitalist wage slaves in Europe, America and China and several hundreds of millions are joining their ranks in the offices, sweat shops and factories of India, Southeast Asia,

Latin America and Africa.

Capitalism has benefitted enormously from the commodification of female labor and promotion of capitalist employment and its intensification remains a prime objective of the Feminist movement.

Women's bodies are also being commodified. Female bodies are prime resourcs for the booming entertainment industry and the essential pivot of the all-encompassing advertisement and marketing industry. Trillion of dollars are being made by the ongoing sales and purchases of female body images. This is "female emancipation".

Women's bodies have become capitalist property in Lockean terms. A key slogan of the global Feminist movement – echoed in the women's march in Pakistan in 2022 – is "our bodies, our choice". This is *kufr* because it explicitly proclaims human divinity. It denies that bodies belong to Allah and are entrusted us for a short period as a sacred trust. Capitalist possession of female bodies is a manifestation of the corruption of the soul.

Capitalist subjectification of female consciousness is reflected in the social devaluation of the institution of motherhood and of private life in general. Bringing women into the public sphere amounts to the capitalist colonization of private life – the dissolution of the family, the devaluation of the marriage contract, the subsumption of love by sex, the dismemberment of the community (brotherhood) and the bastardization of progeny. It transforms every woman into a potential prostitute.

کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

Our Response

As Islamic revolutionaries it is our duty to fight against

this evil of feminism. In Pakistan the most effective Islamic response has been that of Dr. Farhat Hashmi's movement Al-Huda which has been active in this struggle for several decades. It promotes Islamic culture and life practices in accordance with the teachings of Shariah. Its message is especially targeted to address the concerns of Western educated girls belonging to the elite – a cohort most vulnerable to imperialist Feminist exposure and propaganda. Through a well-planned and effectively coordinated educational and training programs Al-Huda has succeeded in changing the lives of many of our sisters and in frustrating Feminist imperialist designs.

The woman's wings of the Jamaat-i-Islami and the women associates of the Tablighi Jamaat are also doing valuable work among middle income groups. A serious gap in our work is lack of focus on poor women in villages and city slums where imperialist funded NGOs are continually trying to organize and corrupt our less well-off and less educated sisters by enslaving them within the circuit of capital. It is urgently necessary that Islamic social and political movements seriously address this challenge through a well-crafted national strategy.